ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۱۱ر۱۸ جون — ۱۹۷۰ء

قیمت —— ۵۰ پیسے
مشرقی پاکستان — ۶۰ پیسے

غزل

حمایت علی شاعر

پندارِ زہد ہو کہ غرورِ برہمنی
اس دورِ بُت شکن میں ہے ہر بُت شکستنی

صرصر چلے کہ تند بگولوں کا رقص ہو
موجِ نمو رواں ہے تو ہر گل شگفتنی

گلچین و گل فروش کی خاطر ہے فصلِ گل
اور قسمتِ جنوں ہے فقط چاک دامنی

دیوارِ ابر کھینچئے کرنوں کی راہ میں
ذرّوں میں قید کیجئے سورج کی روشنی

موجِ نفس سے لرزتے ہے تارِ رگِ حیات
پھیلی ہے شہرِ دل میں وہ پُر ہول سنسنی

کل تک تھا جس پہ ناز وہی شاعرِ غریب
سرکار کی نگاہ میں ٹھہرا ہے کشتنی

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۱۱-۱۸ جون ۱۹۷۰ء

جلد ۱ — شمارہ ۴

نگران :— احمد ندیم قاسمی
شوکت صدیقی

مدیر ارشاد راؤ

غیر ممالک میں نمائندے

احفاظ الرحمان (عوامی جمہوریہ چین)۔
محمد ظفر (برطانیہ و یورپ) رضا (ایران)
عطاالحق قاسمی و پرویز کرامت (امریکہ)
خالد مسعود (کینیڈا) محمد تابش (کویت)

اندرون ملک نمائندے

پشاور فرہاد، لاہور سلطان قریشی، اسلام آباد اکرام، حیدرآباد منیر العالم، سکھر رؤف جوہر، گجرات قربان طاہر، سانگھڑ شوکت علی پوری، میرپور خاص ناصر خاں

انتظامیہ فاروق پراچہ

قیمت

مغربی پاکستان	مشرقی پاکستان
۵۰ پیسے	۶۰ پیسے
سالانہ ۲۵ روپے	۳۰ روپے
ششماہی ۱۳ روپے	۱۶ روپے

خط و کتابت کے لئے :

دفتر ہفت روزہ الفتح، ۸ ڈی نرسری کمرشل ایریا
پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس۔ کراچی نمبر ۲۹

ایڈیٹر و پبلشر ارشاد راؤ نے انجمن پریس باہتمام کلیم الحسن نقوی

پرنٹ چھپوا کر دفتر "الفتح" ۸ ڈی نرسری کمرشل ایریا
کراچی سے شائع کیا

اداریہ

سیاسی جماعتیں اور غیر ملکی امداد

اب تک تو سیاسی لیڈر ہی ایک دوسرے پر غیر ملکی امداد لینے کا الزام عائد کرتے رہے، لیکن گزشتہ دنوں پشاور میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے صدر مملکت نے بھی اس شبہے کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا، "مجھے بھی شبہ ہے کہ بعض سیاسی پارٹیاں غیر ملکی فنڈ حاصل کر رہی ہیں، چونکہ میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے۔ لہذا اس معاملے کی تحقیقات ممکن نہیں۔ مثلاً ہمارا پڑوسی ملک بھارت جس نے ابھی تک پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا ہے۔ وہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لئے یقیناً بعض عناصر کی مدد کریں گے۔"

ملک کے سب سے ذمہ دار عہدے پر فائز شخصیت کے اس بیان سے جہاں پہلے سے موجود شبہات کو بے حد تقویت ملی اور عوام کے ذہن میں موجود انتشار میں اضافہ ہوا۔ وہاں ہمیں کچھ یہ تشویش بھی ہوئی کہ ملک کی سب سے ذمہ دار شخصیت جب یہ بات کہہ رہی ہے تو اس میں لازماً کوئی صداقت ہوگی اور واقعات ایسی نوبت کو پہنچے ہوں گے کہ صدر مملکت اس شبہ کے اظہار پر مجبور ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسا بھی لگا کہ صدر مملکت نے بھی بڑا محتاط انداز اختیار کیا ہے، اور واضح طور پر کسی سیاسی جماعت کا نام نہیں لیا۔ جس سے شکوک و شبہات کی دھند اور گہری ہو گئی ہے۔ ہمارے خیال میں صدرِ مملکت نے جب یہ بات کہی ہے تو لازماً حکومت کے پاس کچھ شواہد ہونے چاہئیں لیکن ہم صدر مملکت سے یہ عرض بھی کریں گے کہ وہ اس بات کے بعد ان شواہد کو سامنے لا کر ان سیاسی جماعتوں کو بے نقاب کریں جو ایسی وطن دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ آخر غیر ممالک سے رابطہ کا ایسا کونسا ذریعہ ہے، جو

سرکاری ذرائع کی نظر میں نہ ہو۔ اس سے پہلے وزارتِ داخلہ کے ایک سابق سیکرٹری، انٹیلی جنس کے ایک سابق سربراہ اور تحریک استقلال کے نووارد جناب اے۔بی۔ اعوان نے بھی اس شبے کو اعتماد کے ساتھ بیان کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایسی سرگرمیوں کا سراغ لگانا ان کی ذمہ داری تھی، اسوقت انہوں نے کیا کیا تھا، اور اس وقت مجرموں کو کیفرِ کردار تک کیوں نہیں پہنچایا گیا؟

اب اعوان صاحب سیاسی اہمیت حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے بیانات جاری فرما رہے ہیں حالانکہ یہ بات فرائض کی انجام دہی میں ان کی شدید کوتاہی کی غماز ہے۔ اگر وہ ان دنوں بھی کسی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر حقیقی مجرموں کو احتساب کی زد میں نہیں لا سکتے تھے، وقت مستعفی ہو جانا چاہئے تھا اور اگر ان کے پاس اب بھی کوئی ثبوت نہیں ہے، تو ان بیانات سے انہیں کوئی سیاسی اہمیت بھی حاصل نہیں ہوگی اور اس طرح وہ کوئی "قومی" خدمت بھی انجام نہیں دے رہے ہیں کیونکہ پہلے بہت سے سیاسی رہنما اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں

اور ہم صدر مملکت سے یہ عرض کریں گے کہ اب جبکہ انہوں نے یہ بیان دے دیا ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے تمام سرکاری ذرائع بروئے کار لاتے ہوئے ایسی سیاسی جماعتوں کو بے نقاب کریں اور انہیں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے۔ الزامات ثابت ہو جائیں تو ان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

اس کے لئے سب سے پہلا ضروری قدم یہ اٹھایا جائے کہ سیاسی جماعتوں کو اپنے ارکان کی تعداد، عطیات کی فہرست اور چندے کا حساب ظاہر کرنے کا حکم دیا جائے۔ ملک میں ایسی سیاسی جماعتیں بھی موجود ہیں، جن کی رکنیت نہایت محدود ہے اور بظاہر بڑے صنعتکار اور سرمایہ داران کے رکن بھی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے بڑے بڑے اخبارات وسیع پیمانے پر نکل رہے ہیں۔

حال ہی میں مودودی جماعت نے "شوکت اسلام" کے ڈھونگ پر جو لاکھوں روپیہ خرچ کیا، وہ آخر کہاں سے آیا۔ اس جماعت کے سیکرٹری جنرل پریس کانفرنس میں اس کے بارے میں کوئی جواب بھی نہ دے سکے۔ لاکھوں روپے سے نئے نئے اخبارات شائع کئے جا رہے ہیں۔ ان سے مالی منفعت حاصل نہ ہو سکنے کے باوجود روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے سوچنے کی بات ہے کہ اتنا روپیہ صرف ہو جانے کے بعد بھی اس جماعت کے کثیر المصارف منصوبے مسلسل جاری رہتے ہیں۔ اس امر کی چاہے باقاعدہ تحقیقات کر لی جائے، سب سے زیادہ تنخواہ دار کارکن اسی جماعت کے پاس ہیں۔ جن کی تنخواہیں سینکڑوں سے ہزاروں روپے تک ہیں

ثبوت فراہم کرنا۔ عوام کی نہیں حکومت کی ذمہ داری ہے، کیونکہ غیر ممالک سے تمام ممکنہ ذرائع پر جتنی کڑی نظر حکومت کی ہوتی ہے، کسی اور کی نہیں ہو سکتی، لیکن اس کے لئے متعلقہ سرکاری افسروں کی سکریننگ کی بھی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ ان پرُ اسرار سرگرمیوں کی نگرانی پر مامور افسر اگر وطن دشمن افراد کے حالات اخفا میں رکھیں گے تو حکومت تک ثبوت کیسے پہنچیں گے۔

یہ بھی دلچسپ امر ہے کہ صدر مملکت کے اس بیان کے فوراً بعد جس سیاسی رہنما نے اپنے ردعمل کا اظہار کیا ہے، وہ مولانا مودودی ہیں۔ ان کی جماعت کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ جماعت کے تنظیمی اخراجات مولانا مودودی کی تصنیفات کی رائلٹی سے پورے کئے جاتے ہیں۔ لاہور۔ کے ہفت روزہ "شہاب" نے ان تصنیفات کی رائلٹی کا پورا حساب کتاب پیش کر دیا تھا، جس سے اتنی رقم کسی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتی، جو پاکستان کے کونے کونے میں

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں

ظاہری خبریں
اندرونی کہانیاں

ایک المیہ کی داستان جو مقبوضہ اخبارات میں شائع نہ ہو سکی

۶ جون کو ملک بھر کے صحافیوں نے یوم احتجاج منایا

نیشنل یونین آف جرنلسٹ کی زچگی کے اخراجات کس کس نے برداشت کئے

★ محمود شام

"اور جو کچھ تم کو سامنے آیا، جس دن بھڑیں دونوں فوجیں، سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو۔ اور تا معلوم کرے ان کو جو منافق تھے اور کہا ان کو، کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن، بولے ہم کو معلوم ہو لڑائی، تو تمہارا ساتھ کریں وہ لوگ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ نزدیک ہیں، کہتے ہیں اپنے منہ سے، جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں، وہ جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو، اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے تو کہہ اب ہٹا دیجیو اپنے اوپر سے موت، اگر تم سچے ہو۔"

(قرآن حکیم۔ سورۃ آل عمران ۱۶۸)

اس شام وہ لوگ "جو کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں"۔ — عمارتوں کے اندر مقید تھے، اور جن کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے"، وہ مارے جانے والے گلیوں سڑکوں پر آزادانہ مظاہرہ کر رہے تھے۔ اب اندر والے لوگ خود جس قسم کا حال آ کر بیان کرتے ہیں، وہ موت سے کم نہیں ہے جن جن عمارتوں کے سامنے مظاہرے ہوئے، وہ نازیوں کے بیگار کیمپ ہیں، ان بیگار کیمپوں کی فضا میں جب کسی کا ضمیر چیخ اٹھتا ہے، تو وہ پریس کلب میں کھلے میں سانس لینے آ جاتا ہے، اخبارات کے دفاتر — قید خانے بن چکے ہیں قہقہے سرد ہو گئے ہیں، چہروں سے اخباری مسکراہٹیں مالکان کی رعونت کی نذر ہو گئی ہیں۔

اس روز دنیا بھر کو خبریں پہنچانے والے، اپنے حقوق کے لئے کسی ایک شخص کے احتجاج کو بھی اخبار کی زینت بنانے والے، آج خود احتجاج بنے ہوئے تھے۔ پریس کلب سے مظلومین صحافت کا قافلہ زیبی (سابق الغنی) کے پر رونق علاقے سے گزرا تو وہاں سوگ کی سی فضا طاری ہو گئی، دیکھنے والوں کی آنکھیں نمناک تھیں۔ ایک مقدس پیشے سے وابستہ کارکن قلم کے امین۔ سرمایہ دار، مالکانِ اخبارات کی انتقامی کارروائیوں کا شکار ہیں۔ قلم کی جگہ اُن کے ہاتھ میں قلم ہی۔ یہ قلم کتنے دنوں سے نہیں چلے، صحافت کا سہاگ لٹ گیا ہے۔ آزادیٔ تحریر دولت کی نذر ہو گئی ہے۔ لوگو! دیکھو۔ ان چہروں کو۔ یہ جنگ.... اخبار جہاں، مشرق اور پی پی آئی کی انتظامیہ اور غدار صحافیوں کے لگائے ہوئے زخم ہیں۔ یہ قلم ۲۴ اپریل سے آپ تک کوئی حرف نہیں پہنچا سکے۔ یہ کیمرے آپ تک کوئی تصویریں نہیں پہنچا سکے۔ زیبی، گارڈن روڈ، بندر روڈ، برنس روڈ سے گزرنے والے رکشوں، ٹیکسیوں، کاروں اور بسوں کے سینکڑوں مسافروں پر مالکانِ اخبارات کی آمرانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کی منہ بولتی تصویریں دکھاتے یہ قافلہ پاکستان کے کثیر الاشاعت اور اب مقبوضہ اخبار کے دفتر کے قریب پہنچا ہے۔ روزنامہ "جسارت"، کا فوٹو گرافر تصویر لے رہا

کراچی میں صحافیوں کا جلوس بندر روڈ سے گزر رہا ہے

ہفت روزہ الفتح کراچی

ہے - کیوں - کل ضرور کسی خباثت کا مظاہرہ ہوگا - اسلام پسندوں سے کسی شرافت کی توقع؟ یہ لے ڈپٹے صحافی ایرکنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھے تو یہ مودودیئے مالک اخبار کو للکار رہے ہیں - اب مسئلہ صرف عبوری امداد کا نہیں ہے - وہ مرحلہ گزر گیا قربانیاں دینے والے قربانیاں دے چکے - اب مسئلہ اپنے حقوق کی بحالی اور آزادیٔ صحافت کا ہے' مقبوضہ اخبارات ایک خاص گروہ کی راگنی الاپ رہے ہیں - اس لئے آج صحافیوں کے ساتھ وہ لوگ بھی سڑکوں پر نکل آئے ہیں، جن کی آواز دبائی جارہی ہے پیپلز پارٹی جمعیت علمائے اسلام عوامی لیگ، لیبر یونینوں - طلبہ انجمنوں کے نمائندے بھی مظلوم صحافیوں کے ساتھ ہیں - پھر یہ پی پی - آئی کا دفتر ہے - "پی - پی - آئی شرم نہ آئی" "فکس اپ فکس اپ، معظم معظم" کے نعرے بلند ہورہے ہیں - کچھ غدار اخبار نویس "شرم نہ آئی" کا نعرہ سن کر کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کر رہے ہیں - پی پی آئی میں صحافیوں کا قتل عام بڑے وسیع پیمانے پر ہوا ہے - یہ قافلہ پریس کلب پہنچ رہا ہے - پریس کلب میں پی - یو جے کے قائم مقام صدر حسن عابدی - سیکرٹری ظفر رضوی، کے ڈی اے ایمپلائز یونین کے سعید ہمایوں، ایرویز ایمپلائز یونین کے صغیر احمد - نوائے طلبہ کے آفتاب احمد جمعیت علمائے اسلام کے مولانا عبدالرحمن ہفت روزہ "شہاب" لاہور کے نذیر ناجی نے صحافیوں کی اس جدوجہد کو ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ قرار دیا - مزدور لیڈروں نے یقین دلایا ہے کہ وہ صحافیوں کی جدوجہد میں ہر ہر قدم ان کے ساتھ ہیں - شام کے سائے گہرے ہورہے ہیں - رات آرہی ہے - کوئی فکر نہیں - ہر رات کے بعد صبح طلوع ہوتی ہے - ۷ رجون کی صبح ہے مقبوضہ اخبارات کے صحافیو! چھ چھ سات سات افراد کے مظاہروں کی خبریں چھاپنے والو - ! تمہارے بھائیوں، تم سے زیادہ تجربہ کار ساتھیوں نے اپنے حقوق کے لئے اتنا طویل فاصلہ طے کیا، عوام کو اپنے مسائل سے آگاہ کیا، تمہارے اخبارات میں ان لوگوں کی خبریں بھی نہ چھپ سکیں جو عمر بھر لوگوں کی خبریں شائع کرتے رہے - لیکن تم اگر سچے ہو تو آنے والی موت کو اپنے اوپر سے ہٹا لینا - وقت قریب ہے - نوشتۂ دیوار پڑھو - چند ٹکوں کے عوض قلم اور ضمیر فروخت کرنے والو - یہ ایسی جنس نہیں ہے جو بازار سے مل جائے -

۷ رجون کو ملک بھر میں وفاقی انجمن صحافیانِ پاکستان - (پی - ایف - یو جے) کی دعوت پر صحافیوں پر انتقامی کارروائیوں کے خلاف یوم احتجاج منایا گیا - کراچی - لاہور - پنڈی پشاور ڈھاکہ اور چاٹگام میں شہریوں کے تعاون سے احتجاجی جلوس نکالے گئے، لیکن مقبوضہ اخبارات میں ان ملک گیر مظاہروں کی کوئی خبر شائع نہیں ہو سکی - اس طرح مالکانِ اخبارات اور منافقین صحافت کو آئینہ میں اپنی بھیانک شکل نظر آتی لیکن اسی روز قارئین اخبارات پر ظاہر ہو گیا کہ جو کچھ ملک میں ہوتا ہے "قومی" اخبارات اس کی خبریں نہیں دیتے -

صحافیوں کے مقدمات کی تفصیلات

لاہور پنڈی اور کراچی کی مختلف عدالتوں میں صحافیوں کے مقدمات زیر سماعت ہیں سعیدہ کریم کیس اور اس جیسے فحاشی اور عصمت دری کے مقدمات کی تفصیلات تو مقبوضہ اخبارات میں باقاعدگی سے چھپتی ہیں لیکن قلم کے امینوں اور عوام کے ذہنوں کو جلا بخشنے والے لوگوں کے مقدمات کی ایک سطری خبر بھی نہیں دی جاتی - ہم کوشش کر رہے ہیں کہ قارئین کی اس تشنگی کو دور کرنے ملک کی تاریخ کے ان اہم مقدمات کی تفصیلات آپ تک پہنچائیں - آئندہ اشاعت سے ہم لاہور - کراچی - پنڈی میں زیر سماعت مقدمات کی روئداد پیش کرنے کی کوشش کریں گے

ادارہ

ہڑتال کے خاتمے کے بعد سے پاکستان کے صحافیوں کی جدوجہد ایک بالکل ہی نئے مرحلے میں داخل ہوگئی ہے، اخبارات پر مودودی جماعت کا براہ راست یا بالواسطہ قبضہ ہے - جماعت دشمن اور محبانِ وطن صحافیوں کی بہت بڑی تعداد مالکانِ اخبارات اور دوسری جماعت کے گٹھ جوڑ کا شکار ہو چکی ہے - مختلف عدالتوں میں مقدمات زیر سماعت ہیں - صحافیوں کی وفاقی انجمن کے خلاف غدار صحافی نہایت دیدہ دلیری سے صحافیوں کی بے روزگاری کے الزامات لگا رہے ہیں، کیسے مکار چور ہیں کہ چوری بھی کر رہے ہیں اور ہاتھ میں چراغ لیکر -

ان صحافیوں کا خون ان کی آستینوں سے ٹپک رہا ہے اور وہ ان کی بے روزگاری پر مگرمچھ کے آنسو بھی بہا رہے ہیں - اب بالآخر انہوں نے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا ملا کر نام نہاد نیشنل یونین آف جرنلسٹس کا ڈھونگ بھی رچا لیا ہے سی آئی اے کی صحافیوں کے بارے میں خفیہ دستاویز کا انکشاف ہوا تھا اور جسے کمیاب، منشور، لیل و نہار، آغاز اور ہفت روزہ 'سیل' نے شائع بھی کر دیا تھا - اس کے مطابق اس یونین کو کافی عرصہ پہلے بننا چاہیئے تھا لیکن اس کے لئے صحافیوں کو یکجا کرنے میں بڑی دقت پیش آرہی تھی - گذشتہ برس "پریس کونسل" نامی ایک نام نہاد تنظیم کے فارم تقسیم کئے گئے تھے - حریف یونین بنانا برطانوی اور آج کل امریکی سامراج کا سب سے بڑا حربہ ہے پی آئی اے میں اس سازش کے بعد صحافیوں کی ملک گیر انجمن کے مقابلے میں یونین بنانے کی ہدایت کی گئی تھی اس لئے مودودی جماعت کے تیز بونڈ اور آج کل ایک روزنامہ کے مدیر کی طرف سے فارم تقسیم کئے گئے لیکن مصلحتاً اس پر خاموشی اختیار کی گئی - پھر صحافیوں کی ملک گیر ہڑتال سے بہت پہلے پی پی آئی "شرم نہ آئی" کے معظم علی فکس اپ فیم نے نیشنل پریس کونسل کی طرح ڈالی اور اس میں سو ڈیڑھ سو ارکان کی شمولیت کی خبر بھی نشر کی - حسب معمول اور حسب توقع ہفت روزہ 'گندگی' نے اس کا خیر مقدم کیا اور نوابزادہ نصر اللہ کی

صحافی دشمن مالکانِ اخبارات کی بول چال بھی بند ہے،

قبیل کے سیاستدانوں نے اسے نظریہ پاکستان کی حفاظت کے سلسلے میں بہت بڑا کارنامہ قرار دیا۔ لیکن نیشنل پریس کونسل کا بعد میں کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں گئی اور کیا نظریہ پاکستان کی حفاظت کی ضرورت نہیں رہی تھی اور اب تک کہیں اس کا سراغ نہ مل سکا۔ کسی صاحب کو اس کا کچھ پتہ ہو تو ہمیں اطلاع دیں اور اگر نیشنل پریس کونسل خود پڑھے تو گھر چلی آئے۔ اسے کچھ نہیں کہا جائیگا۔ ان دنوں پتہ چلا تھا کہ نیشنل پریس کونسل کے اخراجات ایک ایسے صنعتکار برداشت کر رہے ہیں جو ایک زمانے میں نیشنل پریس ٹرسٹ کے چیرمین بھی رہ چکے ہیں نیشنل کے لفظ سے اس قبیلے کو بہت پیار ہے۔ اپنے ہاتھوں سے نیشنل پریس کونسل کو دفنانے کے بعد نیشنل یونین آف جرنلسٹس پیدا کی گئی تھی اس کی ولادت کچھ بعد از وقت ہو گئی ہے، نیشنل پریس کونسل تو اسقاط ہو گیا تھا اور اس بچے سے زچہ کو تکلیف بہت ہوئی اس تکلیف کے وقت میں بھی موصوف ہی کام آتے اور نیشنل پریس ٹرسٹ کے سابق چیرمین نیشنل پریس کونسل کے سابق فنانسر نے زچگی کے اخراجات برداشت کئے۔ اے پی پی سے جانیوالے "اسلام پسند صحافیوں" نے بتایا کہ ان کے سفر کے اخراجات موصوف نے ادا کئے ہیں۔ لاہور سے آمدہ اطلاعات اور ہوٹل کے بلوں کے بموجب اسلام پسندوں کی شراب، قیام، طعام اور دیگر عیاشیوں کے تیس ہزار سے زائد اخراجات اسلام پسند یونین پیاسی نے ادا کئے ہیں کیونکہ اس کے اجلاس میں شرکت کرنے والے صحافی تو اتنے مفلوک الحال ہیں کہ انہوں نے پی۔ ایف یو جے کے لئے چندہ وغیرہ بھی کبھی باقاعدگی سے نہیں دیا نومولود کے کان میں اذان نوابزادہ نصر اللہ نے دی اور نام رکھنے کی رسم مالکان اخبارات نے ادا کی۔ عہدوں کی تقسیم کے سلسلہ میں بڑی دقت ہوئی کیونکہ مودودیوں کو مشرقی پاکستان سے اپنی پوری کوشش اور دولت کی پیشکشوں کے باوجود کوئی ضمیر فروش صحافی نہ مل سکا۔ اس طرح صحافیوں میں صوبائی عصبیت کے بیج بونے کی کوشش کی گئی۔ کراچی، لاہور اور راولپنڈی سے بھی انتہائی غیر معروف اور قلیل تعداد میں ضمیر فروشوں نے شرکت کی جس کی وجہ سے اکثر عہدے اضلاعی نامہ نگاروں کو بھی دینے پڑے۔ اس نومولود یونین کی دائیوں کی کوشش تھی کہ ۱۶ جون کو پی۔ ایف۔ یو۔ جے کی زیر قیادت منائے جانے والے یوم احتجاج سے پہلے پہلے کچھ صحافیوں کو رکن بنا کر ان کے ناموں پر مشتمل فہرست شائع کر دی جائے لیکن روز و شب کی کوششوں کے باوجود ان کے ٹولے میں ناموں کا اضافہ نہ ہو سکا، اور وہ کوئی فہرست شائع نہ کر سکے۔ ایک نہایت دیرینہ منصوبہ، اور طویل سازش جس پر لاکھوں روپے خرچ کئے گئے ہیں، اب اپنے آخری مرحلے پر پہنچنے کے بعد بھی کسی شکل میں نہیں ڈھل سکی۔ اس لئے مودودیوں کی صفوں میں صحافیوں کی طرف سے بڑی مایوسی پھیل گئی ہے۔ پہلے مودودیے لیڈر اخبارات سے سرخوں کو نکالنے کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، اور ادھر یونیورسٹیوں کے صحافت کے شعبوں میں باقاعدہ رنگروٹ تیار کئے جا رہے تھے اور پھر انہیں مختلف ذرائع سے اخبارات کے دفاتر میں گھسایا جاتا رہا۔ لیکن یہ لوگ بہت نااہل نکلے، ان کی دال نہ گل سکی، اس لئے جماعتیوں کو اپنے اخبارات نکالنے پڑے، ہڑتال کے دوران مودودی جماعت نے اپنی دولت کا بے پناہ استعمال کیا اور مالکان اخبارات سے سودے بازی کے ذریعہ تمام جماعت دشمن صحافیوں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اس طرح اخبارات کی تطہیر ہو گئی۔ موجودہ غیر جانبدار حکومت کے وزیر باتدبیر جو صحافیوں کے ادارے سے تعلق رکھتے ہیں، نے پوری پوری جانبداری کا مظاہرہ کیا، اور اس مسئلے پر بظاہر کسی دلچسپی کا اظہار نہ کیا لیکن اب ایسے واقعات سامنے آچکے ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی برطرفی کے سلسلے میں وزیر اطلاعات ونشریات نے ذاتی دلچسپی لی۔ پاکستان ٹائمز کے ایک کارکن کے لئے وزیر موصوف نے ایک خط بھیج کر برطرفی کی ہدایت کی۔ اس الزام کی تردید وزارت اطلاعات و نشریات کی طرف سے اب تک نہیں کی گئی۔ اس لئے اب اس کی صداقت پر یقین کیا جا رہا ہے۔ اطلاعات ملی ہیں کہ اے۔ پی۔ این۔ ایس کے ایک حالیہ اجلاس میں وزارت اطلاعات ونشریات کے ایک افسر نے

پنجاب یونین آف جرنلسٹس کے احتجاجی جلوس کا ایک منظر

ہفت روزہ الفتح کراچی

شرکت کی۔ یہ کیسی غیر جانبداری ہے؟

ملک میں صحافیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ملازمتوں سے الگ کر دیا گیا ہے لیکن اسلام پسند وزیر اطلاعات و نشریات نے اس المیے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور نہ ہی انھوں نے اس معاملہ پر اپنے محکمہ کو ہی کوئی قدم اٹھانے کی ہدایت کی ہے۔ اس کے برعکس جب وفاقی انجمنِ صحافیانِ پاکستان کے ایک وفد نے وزیر اطلاعات سے ملنے کی کوشش کی تو انھوں نے ملنے ہی سے انکار کر دیا۔ مالکان اخبارات سے ملنے کا وقت انہیں ہمیشہ مل جاتا ہے۔ کیا یہی غیر جانبداری ہوتی ہے۔

سی۔ آئی۔ اے کی دستاویز میں کہا گیا تھا "اب علیحدگی ناگزیر ہے۔" سو اس کی روشنی میں نیشنل یونین آف جرنلسٹس بن گئی۔ اس کے لئے سب سے زیادہ کوشش مودودی جماعت نے کی کیونکہ پاکستان میں امریکی مفادات کی نگرانی انہی کے ذمہ ہے۔ اس کا خیر مقدم سب سے پہلے پی۔ ڈی۔ پی نے کیا۔ اس کی خبریں مشرق اور جنگ نے سب سے پہلے شائع کیں۔ ان چہروں میں کوئی تضاد نہیں ہے اور اس یونین کے اخراجات برداشت کرنے والے بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ امریکی سامراج کی بدنام زمانہ تنظیم سی۔ آئی۔ اے مشرقی پاکستان میں بار بار ناکامیوں کے بعد اب مغربی پاکستان میں پاؤں جمانے کی کوشش کر رہی ہے حال ہی میں مشرق بعید کے ایک ملک نے اپنا ایک سفارتی دفتر کراچی میں قائم کیا ہے۔ یہ ملک سی۔ آئی۔ اے کا سب سے بڑا اڈہ ہے اور اس کے لئے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی میں جو وہائٹ ہاؤس کرایہ پر دیا گیا ہے اس میں ایک بہت بڑے اخبار کے مالک رہتے تھے۔ پگڑی، پیشگی کرایہ وغیرہ پتہ نہیں کتنا طے ہوا۔ بہرحال وہ مالک اخبار یہ مکان چھوڑ گئے ہیں۔ اس کے بعد اب اس اخبار کی پالیسی میں اور زیادہ اسلام پسندی بلکہ "سام پسندی" آگئی ہے۔ ایک مرتبہ امریکی سفیر اس اخبار کے دفتر سے ہو کر گئے تھے تب بھی پالیسی خاصی تبدیل ہو گئی تھی۔ کچھ سرمایہ اس طرح منتقل ہو رہا ہے اور کچھ اخبارات کو پان امریکن کے اشتہار کے ذریعہ پیسہ مل رہا ہے۔ جب یہ صورت حال ہو تو باضمیر صحافی

ہفت روزہ الفتح کراچی ۔

نومولود پاکٹ یونین کے کان میں اذان

نوابزادہ

نصر اللہ خان نے دی

ہے مگر [illegible]ں میں رہ بھی کیسے سکتے ہیں لیکن امریکی سامراج اور پاکستان کے ضمیر فروشوں کے اس گٹھ جوڑ کا عوام کو علم ہو چکا ہے۔ اس لئے اب بے پناہ وسائل سے شائع ہونے والے یہ اخبارات اپنی موت آپ مر رہے ہیں۔ ملتان اور کراچی سے شائع ہونے والا "اسلام اور عوام" کا ترجمان دونوں جگہ سے ملا کر بھی چھ سات ہزار سے زیادہ سرکولیشن حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اردو کے سب سے بڑے اخبار کی اشاعت ہزاروں کی تعداد میں نیچے گری ہے۔ یہ سارے حقائق اس بات کا ثبوت ہیں کہ عوام ان اخبارات کی عوام دشمن اور امریکہ نواز پالیسیوں پر احتجاج کر رہے ہیں۔ اس قدر حبس ہے کہ لوگ بارش کے پہلے قطرے کو ترس رہے ہیں۔ کراچی کے اخبارات کی نبض پر جس شخص کی ۲۳ برس کی انگلیاں ہیں اور جسے اخباری صنعت کا کمپیوٹر کہا جاتا ہے اس کا کہنا ہے کہ اس وقت دنیا بائیں بازو کے اخبار کی منتظر ہے۔ ایک مکرانی ہاکر اپنے مخصوص لہجے میں کہتا ہے کہ "اڑے یہ جسارت کوئی اٹھاتا نہ مانگتا بلکہ مفت بھی نہیں لیتا۔ زبردستی پھینک دو تو مارتا ہے۔" کیفے ٹیریا کے سامنے بیٹھنے والے حبیب اخبار فروش نے لکھ کر لٹکا دیا ہے کہ "چندے سے چلنے والا اخبار مانگ کر شرمندہ نہ کریں۔"

"یہاں جسارت ۲۰ پیسے کے بجائے ۱۳ پیسے میں ملتا ہے۔" جسارت بھی نہیں چلا اور جنگ کی اشاعت بھی گر رہی ہے۔ مشرق تو کہیں نظر ہی نہیں آتا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مالکان اخبارات جو کل تک پی ایف یو جے دشمنی میں مل بیٹھتے تھے اور متحدہ محاذ بنا رہے تھے دائیں بازو کی جماعتوں میں انتشار کی طرح ان کی ساجھے کی ہنڈیا بھی بیچ چوراہے کے ٹوٹ چکی ہے۔ گھر دل میں جھانکنا اچھا تو نہیں ہوتا لیکن جب صحافی اور عوام دشمنی میں گٹھ جوڑ کرنے والے معظم علی، الطاف حسن قریشی اور ایک مقامی سرمایہ دار کی آپس میں تو تو میں میں سنائی دے تو مزا آجاتا ہے اور اس یقین کو تقویت پہنچتی ہے کہ نفرت کی بنیاد پر ہونے والا اتحاد کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اس "تو تو میں میں" کا تفصیلی پس منظر ہم پھر کبھی بیان کریں گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج کل ان دونوں صحافی دشمنوں کی بات چیت آپس میں بند ہے۔

اسی طرح مقبوضہ اخبارات پڑھنا بھی آدمی اچھا نہیں لگتا لیکن جب ایسی سرخی نظر آئے "جعلی پی۔ پی آئی" اور بزنس ریکارڈر ایک خبر کے سلسلے میں پی پی۔ آئی کے اس موقف کو جھٹلائے کہ یہ خبر اسی کے سٹی رپورٹر سے ملی تھی اور پی پی آئی یہ جھوٹ کہتی ہے کہ اس نے خبر نشر نہیں کی اور یہ بھی یاد آئے کہ یہی بزنس ریکارڈر والے صاحب تھے جو پی پی آئی کے مالک معظم علی صاحب سے اکثر ملنے آیا کرتے تھے اور معظم علی صاحب جو ہڑتال کے دنوں میں بزنس ریکارڈر کی اشاعت کی خبر بڑے فخر سے اور خود کر یڈ کرتے تھے تو طبیعت بہت خوش ہوتی ہے۔

کسی کے ذاتی فون کی بات چیت سننا اچھا نہیں ہوتا لیکن جب بزنس ریکارڈر کے ضمیر الدین اور پی۔ پی آئی کے معظم علی کسی بددیانتی کے سلسلے میں جھگڑتے سنائی دیں تو اپنے ایمان کو تقویت پہنچتی ہے۔

ایک مقامی ہفت روزے میں ایک صحافی پانچ غداروں میں اس لئے شامل ہوئے تھے کہ انہیں اس ہفت روزے کی ادارت ملنے کی توقع تھی لیکن ہوا یہ کہ ان کی اپنی جماعت کے ایک صاحب نے مالکان سے سودے بازی کر کے اس رسالے کی ادارت سنبھال لی۔ اب اس غدار صحافی کا بہت برا حال ہے۔

پی ایف یو جے کے کارٹون بنانے والے اور اپنے دانت کا اسکینڈل بنانے والے صحافیوں کی جوڑی آدھی رات کے قریب کلے یو جے کے سکریٹری کے گھر پہنچ کر اپنی حالت زار بیان کرتے ہیں اور کہتے

باقی صفحہ ۴۲ پر

اسلام آباد سے ایک خط

مودودی جماعت نے کونسل لیگ کے کارکنوں کو خرید لیا

مودودی صاحب کے حصے میں صرف وزارت تعلیم آئی

★ نمائندہ الفتح پنڈی

اس ہفتے کونسل مسلم لیگ اور مودودی جماعت کے اختلافات کھل کر سامنے آگئے ۔ بات اب دفتروں سے اور گھروں سے نکل کر اخباری بیانوں تک آپہنچی ہے، میاں صاحب تو شروع ہی سے مودودی جماعت سے اتحاد کے مخالف تھے۔ کیونکہ وہ ملائیت سے بہت گھبراتے ہیں، ایک زمانے میں تو وہ سوشلزم کی باتیں بھی کرتے رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اب سوشلزم کی بات کرنے سے وہ اس لئے کتراتے ہیں کہ بھٹو اور بھاشانی کے پیرو نہ سمجھ لئے جائیں۔ اپنی قیادت برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے اتنے پاپڑ بیلے ہیں کہ ادھر مودودی صاحب کو بھی یہی جنون ہے۔ اگرچہ دونوں میں یہ ایک قدر مشترک ہے کہ وہ اپنی پارٹی کی سربراہی کسی صورت میں چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہی قدر مشترک ان میں وجہ اختلاف بھی ہے۔ یہاں پنڈی میں چند ماہ پہلے جو بات دبی دبی زبان میں کہی جارہی تھی اب کھل کر کہی جارہی ہے ۔ پنڈی میں کونسل مسلم لیگ کے کئی ساتھی جن کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے انہوں نے میاں صاحب۔ سردار شوکت اور جاوید اقبال کے جلسوں کے موقع پر یہ شکایت کی کہ انکے پوسٹر پھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ انہیں مودودی جماعت کے کارکنوں پر شبہ تھا اس کا اظہار وہ برملا کر نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ بالائی قیادت برا مان جاتی۔ البتہ انہوں نے یہ ضرور کیا کہ اپنی کارکنوں کے ذریعے مودودی جماعت کے جلسوں کے پوسٹر وغیرہ اتروانے رہے۔ مشترکہ کنونشنوں اور جلوسوں میں بھی کبھی مودودی جماعت اور کونسل مسلم لیگ کارکنوں کی نہیں بنی۔ مودودی جماعت کے ورکرز نے ہمیشہ قیادت اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی۔ یوم شوکت اسلام سے تو یہ انتشار کھل کر سامنے آگیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مودودی صاحب نے حسب معمول بے وقت اذان دے کر چاہا کہ سب لوگ انکی امامت میں نماز پڑھنے کے لئے آجائیں۔ لوگوں نے پوچھا بھی کہ یہ کونسی نماز کا وقت ہے۔ مودودی صاحب اذان دے چکے تھے اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ باقی تمام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی کیلئے آجائیں اب صاف صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مودودی صاحب اسلام کے نام پر قیادت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں اور دوسری جماعتوں کو ثانوی حیثیت کی حامل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس نام نہاد یوم شوکت اسلام سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔ لیکن چھوٹے شہروں میں مختلف جماعتوں کے ورکر اس جلوس کی تیاریاں بھی کر چکے تھے اور جماعت نے انہیں خاصہ معاوضہ بھی دیا تھا۔ میں نے پنڈی کے مرکزی جمعیت علمائے اسلام (امام ضامن گروپ) اور کونسل مسلم کے کئی ورکروں کو اس جلوس میں شامل دیکھا۔ ایک واقف حال نے مجھے بتایا کہ جماعت نے خاصا معقول معاوضہ دیا ہے۔ اس لئے لاتعلقی کے اعلان پر الگ ہوجانے سے تو خاصا مالی نقصان ہوتا۔ کونسل لیگ کے مقامی قائدین کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے جہاں ایسے ورکروں کے خلاف تحقیقات شروع کردی ہیں، وہیں مودودی جماعت کے مقامی لیڈروں سے بھی ان کی خاصی تو تو میں میں، ہوئی ہے۔

لاہور کے ایک دوست سے بات ہوئی تو انہوں نے ایک دلچسپ حقیقت کا انکشاف کیا کہ لاہور میں "یوم جہاد" کے سلسلے میں بائیں بازو کی جماعتوں نے جو جلوس نکالا دائیں بازو کی جماعتوں کو سقوط بیت المقدس کا کوئی غم نہیں ہے۔ بلکہ انہیں اپنی انتخابی طاقت دکھانے کا شوق ہے، اس میں کونسل مسلم لیگ کے کئی ورکر بھی شامل تھے۔ ان ورکروں کا کہنا تھا کہ بیت المقدس کا سقوط تمام دنیا کے مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ اس میں کونسل مسلم لیگ کو بحیثیت جماعت شریک ہونا چاہیئے۔
اب کراچی سے تو کونسل مسلم لیگ کے رہنماؤں نے باقاعدہ جماعت اسلامی کے ورکروں پر پوسٹر

ہفت روزہ الفتح کراچی

پھاڑنے کا الزام لگایا ہے۔

مجھے کراچی میں خاصا عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہاں کے مودودیوں کی حرکتوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہاں کے ورکروں کا جماعت کے ہیڈکوارٹر ذٹل سائیگان سے براہِ راست رابطہ ہے، انہیں تمام ہدایات ذیل سے آتی ہیں۔ پوسٹر پھاڑنے کا واقعہ جب پیش آیا اس وقت تو مودودی جماعت کے سکریٹری جنرل بھی کراچی میں موجود تھے۔ اس لئے ہوٹ لائن استعمال کرنے کی زحمت بھی نہیں اٹھانی پڑی ہوگی

مودودی جماعت اور کونسل مسلم لیگ کو آپس میں لڑانے میں سب سے نمایاں کردار تو شورش کاشمیری نے ادا کیا۔ میرے وہ ذاتی دوست ہیں۔ ہمیں کافی عرصے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ وہ اس بیل کی طرح ہیں جو شیشے کی دکان میں گھس کر سب کچھ توڑ تاڑ کر باہر نکل آتے۔ اب تک کئی شیشے کی دکانیں ان کے جنون کی نذر ہو چکی ہیں۔ اب مودودی جماعت کی باری ہے۔ ان کی دولتانہ صاحب سے بہت پرانی لگتی ہے۔ میاں صاحب نے پنجاب کی وزارت کے زمانے میں ۱۹۵۳ء میں چٹان کی اشاعت پر پابندی لگادی تھی۔ ان دنوں کا انتقام لینے کی خاطر شورش کاشمیری نے میاں صاحب اور مودودی صاحب کی آپس میں جھڑپ کرادی ہے اور بی جمالو کی طرح ایسی ایسی لگاتی ہیں کہ مودودی صاحب اس وقت بھرے بیٹھے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مودودی صاحب کو کچھ گول میز کانفرنس کی بھی شکایتیں ہیں۔ اس میں مودودی صاحب بلا شرکت غیرے قائدِ حزبِ اختلاف بننا چاہتے تھے۔ بھٹو اور بھاشانی نے نے اس میں شرکت نہ کرنیکا فیصلہ کیا تو مودودی صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا کہ دو رقیب تو گئے۔ اب ان کے لئے دولتانہ صاحب دردِ سر بنے۔ اس پر اضافہ یہ کہ دولتانہ صاحب مجیب کو بلانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ اس عرصے میں یہ بھی ہوا کہ حزب مخالف کے بعض لوگ ایوب صاحب کے ساتھ بیٹھ کر آئندہ وزارتوں کی تقسیم کرنے لگے۔ ایوب صاحب کو گول میز کانفرنس توڑنے نے دوبارہ بھی صدر بننے کی پیشکش کی۔ اب وزارتِ عظمیٰ کا مسئلہ تھا۔ دولتانہ صاحب ایک عرصے سے اسکے متمنی تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی سیاسی قسم کی چالاکیوں سے اکثر لوگوں کو اس کے لئے راضی کرلیا

اب مودودی صاحب کے حصے میں صرف وزارتِ تعلیم آئی۔ نوابزادہ نصراللہ جو ڈیک کے کنوینر تھے وزارتِ داخلہ دیگران کا منہ بند کرنے کی کوشش کی گئی پروفیسر غلام اعظم نے اسے بھی غنیمت جانا لیکن مولانا کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مجیب صاحب اس بندر بانٹ کے بعد آئے، انہوں نے بھی میاں صاحب سے سودے بازی شروع کردی۔ نوابزادہ نصراللہ خاں ان دنوں میاں صاحب کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ مولانا بہت دل برداشتہ ہوتے۔ انہیں غصہ آیا اور اس کا نشانہ سوشلسٹ بن گئے کہ ان کی گدّیوں سے زبانیں کھینچ لی جائیں۔ مودودی کے

مودودی صاحب دولتانہ صاحب کا تختہ نہ الٹ سکے

کارکنوں نے محلے محلے کمیٹیاں بنالیں۔ یہ مارچ ۱۹۶۹ء کی بات ہے لیکن اب جون ۱۹۷۰ء ہے۔ اب تک ایسی کسی کمیٹی کا وجود نظر نہیں آتا۔ مولانا نے اس محرومی کے بعد تشدد کا طریقہ اختیار شروع کردیا اور آپس میں صلاح مشوروں کے بعد یہ طے کیا کہ اسلام کے نام پر تشدد، لاقانونیت، عیاریاں کی جائیں سرمائے کا انہیں فکر نہیں تھا۔ بالآخر وہ دائیں بازو کی جماعتوں کی قیادت کا سہرا اپنے سر باندھنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس طرح انہیں صرف اور صرف میاں صاحب سے انتقام لینا مقصود تھا۔ ان کے اخبارات نے علی الاعلان دولتانہ صاحب کو برا بھلا کہا (ہفت روزہ زندگی کے ابتدائی شمارے دیکھئے) اور خود مودودی صاحب نے کونسل مسلم لیگ کے بعض کارکنوں کی تنخواہیں مقرر کردیں اور انہیں کہا کہ اگر دولتانہ صاحب کو کونسل مسلم لیگ کی سربراہی سے دستبردار کرادو تو جو مانگو گے ملے گا۔ لیکن میاں صاحب تو اسلام پسند نہیں ہیں۔ بڑے گھاگ سیاست داں ہیں انہوں نے ایسا پلٹا دیا کہ خود کونسل مسلم لیگ والے حیران رہ گئے۔ اس میں کونسل مسلم لیگ کے بعض صوبائی لیڈر بھی ملوث ہیں۔ مجھے کچھ دستاویزی ثبوت ملنے کی توقع ہے۔ ان چہروں کو اس کے بعد ہی بے نقاب کیا جائے گا۔

اب مودودی جماعت کے پاس لے دے کر پی۔ ڈی۔ پی رہ گئی ہے۔ اسے پہلے ہی سے مودودی جماعت کا سیاسی محاذ کہا جاتا ہے اس کے عہدوں کے انتخاب میں جماعت کے گھس بیٹھیوں نے اپنا کام دکھایا تھا اور اب مودودیوں کی کوشش سے ہی جو انھوں نے نوابزادہ نصراللہ کے ذریعے کی ہیں۔

پی۔ ڈی۔ پی مغربی اور مشرقی پاکستان میں الگ الگ نظریات کی حامل ہوگئی ہے۔ نوابزادہ نصراللہ خاں نے ہمیشہ ہی "بی جمالو" کا کردار ادا کیا ہے۔ اور اکثریت کو چھوڑ کر اقلیت کا ساتھ دیا ہے۔ تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی، عوامی لیگ میں تھے تو وہاں اکثریت کی مخالفت میں الگ گروہ بنالیا، اب پھر پی۔ ڈی۔ پی میں اپنا الگ گروہ بنا لیا ہے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مودودی جماعت کے لیڈر اور اخبار سب کے سب نوابزادہ نصراللہ خاں کی بہت پبلسٹی کر رہے ہیں۔ مغربی پاکستان پی۔ ڈی۔ پی نے اب کونسل مسلم لیگ کی مخالفت شروع کردی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ پی۔ ڈی۔ پی میں کونسل مسلم لیگ کے بیشتر وہ ارکان شامل ہیں جو میاں صاحب کے ستم گزیدہ تھے، ان کی آمرانہ روش سے تنگ آکر وہ پی۔ ڈی۔ پی میں چلے گئے تھے، لیکن یہاں انہیں حقہ ٹولی آمریت کا سامنا ہے جو مولانا مودودی کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔

ع۔ یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

ہفت روزہ الفتح کراچی

جنگ کراچی کی انتظامیہ نے
عدالت سے غیر مشروط معافی مانگ لی

WEST PAKISTAN LABOUR APPELLATE TRIBUNAL, KARACHI.

PLAT/(70)/70-210

Complaint No.KAR-156 of 1970.

Date of Hearing: 6-6-1970.

Complainant (s) - Syed Tasweeb Hussain Naqvi,
General Secretary,
The Amil Sahafi Khushnawees Union,
190, Zoological Gardens,
Karachi.

Versus.

Accused . . . . . . 1. Mr. Mir Khalilur Rehman,
S/O Not Know, Editor, Printer,
Publisher & Chairman Board of
Directors;

2. Mr. Mir Habibur Rehman,
S/O Not Know, Managing Director;

3. Yousuf Siddiqi, Executive Director;

4. Akhtar Alam, Chief Reporter; and

5. Hafiz Mohammad Islam,
Reporter, all of
Messrs. Jang Publications Limited,
Jang House, Off I.I. Chundrigar Road,
Karachi.

. . . .

APPEARANCES

Mr. S.P. Lodhi . . . . For the Complainant.
Mr. Zaheer-uddin, Advocate. . . . . For Accused Nos. 1 and 3

. . . .

ORDER DICTATED IN PRESENCE OF THE REPRESENTATIVES OF THE PARTIES.

The Editor and the Executive Editor have offered un-conditional apology, which in the circumstances as stated in their reply, I accept. Mr. S.P. Lodhi for the Complainant states that the Editor and the Executive Editor may be directed to rectify the mistake in the report that they have published on 27th April, 1970. They undertake to do so at their earliest.

The notice is discharged.

Sd/-

(INAMULLAH KHAN),
APPELLATE TRIBUNAL.

Certified to be True Copy
Samuel Hala
Industrial Appellate Tribunal
6/6/70

SEAL

مسٹر جسٹس انعام اللہ خان کے ایوارڈ کا عکس

ایک خبر کی کہانی

روزنامہ جنگ کے
ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر اور چیئرمین:
میر خلیل الرحمٰن ولد نا معلوم
اور ایگزیکیٹو ایڈیٹر: یوسف صدیقی

نے جنگ، کے خوشنویس (کاتب) اور عامل صحافی خوشنویس یونین کے جنرل سیکرٹری سید تصویب حسین نقوی کی طرف سے کراچی کے صنعتی ٹریبونل میں دائر کردہ توہین عدالت کے مقدمہ میں غیر مشروط معافی مانگ لی۔ توہین عدالت کا یہ مقدمہ یونین کے جنرل سکریٹری نے مشرق اخبار کے کاتبوں کی حالیہ ہڑتال کے بارے میں عدالتی فیصلے پر مشتمل ایک خبر توڑ مروڑ کر اخبار جنگ میں شائع کرنے اور عدالتی فیصلے کے اصل مفہوم کے خلاف غلط تاثر پھیلانے کی بنا پر ٹریبونل میں داخل کیا تھا۔ عدالتی ٹریبونل کے جج نے ملزمان کی غیر مشروط معافی منظور کرتے ہوئے اپنے فیصلے میں

ملزمان: میر خلیل الرحمٰن ولد نا معلوم
اور یوسف صدیقی

کو ہدایت کی ہے کہ وہ ۲۷ اپریل کی شائع شدہ خبر کی غلطی کا جلد از جلد ازالہ کریں۔

مدعی سید تصویب حسین نقوی کی طرف سے مقدمہ کی پیروی مسٹر ایس پی لودھی نے کی۔ واضح رہے کہ صحافیوں اخبار نویسوں اور اخباری کارکنوں کی حالیہ ملک گیر ہڑتال ختم ہونے کے بعد جب تمام اخباروں اور پی پی آئی کی طرح اخبار جنگ نے بھی صحافتی کارکنوں کے خلاف اندھا دھند پروپیگنڈہ کی مہم چلا رکھی تھی تو اسی دوران ۲۷ اپریل ۷۰ء کو صنعتی ہڑتال ختم ہونے کے بعد تیسرے دن اس اخبار نے صنعتی عدالت کراچی کے فیصلے کے حوالے سے ایک لمبی چوڑی خبر شائع کی تھی جس میں واضح الفاظ میں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ عدالت نے اخبار مشرق کے کاتبوں کی ہڑتال کو خلاف قانون قرار دیدیا ہے حالانکہ عدالت نے اسے خلاف قانون قرار نہیں دیا تھا۔ اس خبر کی اشاعت پر کاتبوں کی واحد نمائندہ تنظیم "عامل صحافی خوشنویس یونین کے جنرل سکریٹری مسٹر تصویب حسین نے

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر اور چیئرمین:

میر خلیل الرحمٰن ولد نامعلوم

مینجنگ ڈائریکٹر:

میر حبیب الرحمٰن ولد نامعلوم

ایگزیکٹیو ایڈیٹر:

یوسف صدیقی

اور رپورٹر اختر عالم، حافظ محمد اسلام کے خلاف صنعتی عدالت میں توہین عدالت کے تحت اپنے مشیر قانون مسٹر ایس پی لودھی کی وساطت سے درخواست پیش کردی۔ ٹریبونل نے اس درخواست پر:-

ملزم نمبر۱

اور ملزم نمبر۳: یوسف صدیقی

کے نام سمن جاری کردیا۔ مورخہ ۹ جون کو مذکورہ دونوں ملزموں نے غیر مشروط معافی مانگ لی ہے۔

جنگ کے چیئرمین میر خلیل الرحمٰن معافی مانگ کر عدالت سے باہر نکل رہے ہیں (تصویر ابو خلیل)

افغانستان میں عوامی بیداری کی لہر

ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں شاہی نظام مسلط ہے، بیسیویں صدی میں بھی شاہی نظام کی برقراری۔ متعلقہ ممالک کے عوام پر جبر و تشدد کی علامت ہے، افغانستان سے خبروں وغیرہ کے سلسلے میں بڑی سخت پابندیاں ہیں۔ اس لئے کبھی صحیح خبریں دوسری دنیا تک پہنچنے نہیں پاتیں۔ سیاسی طور پر افغانستان گزشتہ کئی برس سے امریکہ اور روس کے زیر اثر ہے۔ امریکہ نے تو اپنی سی آئی۔ اے کے ذریعے سازشوں کا جال پھیلایا ہوا ہے۔ البتہ روس نے افغانستان کے کچھ اقتصادی منصوبوں میں بھی مدد دی ہے۔ افغانستان کے عام باشندوں کی اقتصادی حالت بہت پست ہے اس طرح طلباء، مزدور کسان مسلسل حکومت کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ گزشتہ برس کے وسط سے افغانستان میں عوامی بیداری کی لہر دوڑ گئی۔

پاکستان کی طرح افغانستان میں بھی طلباء نے احتجاج کا پہلا پتھر پھینکا اور اب اس تحریک میں علماء، مزدور اور کسان سب شامل ہوگئے ہیں۔ ہم تک اطلاعات بہت کم اور مسخ شدہ پہنچ رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک عظیم عوامی ابھار یہاں جنم لے چکے ہیں۔ طلبہ اس کا ہراول دستہ ہیں۔

تازہ اطلاعات کے مطابق چند اعلیٰ سرکاری افسران بھی گرفتار کئے گئے ہیں جو کمیونزم کی حمایت کرتے تھے، ہمارے مقبوضہ اخبارات کی اطلاع کے مطابق افغان حکومت کمیونسٹوں پر پابندی لگانے کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔ لیکن حکومت کے لئے کوئی ایسا قدم اٹھانے سے پہلے افغان پارلیمنٹ کی باقاعدہ منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ افغان پارلیمنٹ کے ممبروں کی اکثریت کا رجحان کمیونزم کی طرف ہے۔ اس لئے افغان پارلیمنٹ سے یہ منظوری حاصل کرنا ناممکن دکھائی دے رہا ہے۔

یہ جد وجہد دراصل کمیونزم کے قیام کے لئے نہیں ہے، بلکہ عوامی طبقوں پر ظلم و تشدد کے خلاف جدوجہد ہے، اور اقتصادی عدم توازن دور کرنے اور عوامی حقوق کی بحالی کے لئے ایک انقلابی کوشش ہے۔ ہمارے مقبوضہ اخبارات اسے کمیونزم کا نام دے کر نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ کوشش اور جدوجہد ہر اس علاقے اور شعبے میں ہوگی، جہاں مزدور کا حق دبایا جائیگا اور ہر اس علاقے اور شعبے میں کامیاب بھی ہوگی جہاں آجر اور حکمران اجارہ داری اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں گے۔

ہفت روزہ الفتح کراچی

یوم شوکت اسلام

اور

مودودی جماعت کی پشیمانیاں

تصاویر ابوالخلیل

یوم شوکتِ اسلام کا ڈھونگ رچایا گیا، لوگوں نے دیکھا، بار وزگار لوگوں نے ساحل پر کھڑے ہو کر دیکھا، بے روزگار اس کا حصہ بن گئے، دہاڑی اچھی ملی تھی، چھٹی کے دن بھی "پیدا" ہو رہی تھی، کیا ہرج تھا۔ انسانوں اور گاڑیوں میں اتنا سا فرق تھا کہ جاپانی گاڑیوں پر "کرائے کے لیئے" لکھا ہوا نظر آرہا تھا۔ انسانوں پر ایسی کوئی تختی نظر نہیں آرہی تھی۔ ہر چند کہ وہ گاڑیوں کی طرح لائے گئے تھے۔ گاڑیاں انسانوں کی نسبت آسانی سے کرائے پر مل جاتی ہیں، کیونکہ ان میں ضمیر کی بجائے انجن لگا ہوتا ہے۔

اتوار کے روز کراچی کے شہریوں کو گوشت، سبزی اور پھلوں کے حصول میں بہت دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ گوشت اور سبزی اور پھلوں کی نقل وحمل کا ذریعہ بننے والی گاڑیاں کاروانِ شوکتِ اسلام کو ڈھو رہی تھیں — محتاط اندازوں کے مطابق ۳۰۰ سے زیادہ سوزوکی اور چھوٹے گاڑیوں نے "اسلام پسندوں" کا بوجھ برداشت کیا۔ سوزوکی گاڑیوں کے انجنوں کا کہنا ہے کہ اسلام پسند تو بہت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ اب انہیں کیا کہیں کہ انسان کا اصل سرمایہ تو "ضمیر" ہوتا ہے، اور وہی نہ ہو تو پھر بوجھ کاہے کا۔ اور وہ جو گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ بے چاری کرائے کی گاڑیوں کو کیا محسوس ہوتا۔

جوڑوں کا درد یا جوڑ توڑ کا

سنا ہے کہ اپنے مولانا مودودی یوم شوکتِ اسلام کے جلوس سے اتنے زیادہ خوش ہوئے ہیں کہ بیمار پڑ گئے ہیں۔ جماعت اسلامی کے فارورڈ بلاک کے قائد چوہدری رحمت الٰہی نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ مودودی صاحب اب مزید جلسے اور جلوسوں میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ ان کے جوڑوں میں درد ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر دراز کرے صرف ایک جلوس میں کچھ دیر شامل ہونے اور کرسی پر بیٹھے رہنے سے ان کی یہ حالت ہو گئی، اگر خدانخواستہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی امارت کا منصب جلیلہ عطا کر دیا اور اس کے لئے انہیں کرسی پر بیٹھنا پڑ گیا

یوم شوکت اسلام نے "پیاسی" کا سیاسی پول کھول دیا

ہفت روزہ الفتح کراچی

تو کیا ہوگا۔ ہمیں تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔ ماشاء اللہ ہمارے مولانا کو کیوں کچھ ہونے لگا۔ ابھی تو وہ برطانیہ کی نرسوں کے ریشمیں ہاتھوں سے شفا پا کر آئے ہیں۔ عیسائی ڈاکٹروں سے ظاہری و باطنی دونوں آپریشن کروا کے بھی۔۔۔ جوڑوں میں درد ہونے لگا ہو یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ مودودی جماعت کے سر پھرے نوجوانوں کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ جوڑوں کا درد ہمارے مولانا کے دشمنوں کو ہو۔ البتہ انہیں جوڑ توڑ کا درد ضرور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اپنے قبلہ کیرانوی (المعروف بہ تھانوی) نے بھی حرمین الشریفین سے لوٹ کر اس ”توڑ“ کا اعلان کر دیا ہے۔ اب ”لیل سائیگان“ سے رابطہ قائم کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس درد میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں۔

وہ سوال جس کا جواب نہ تھا

چوہدری رحمت الٰہی صاحب سے ایک گستاخ اخبار نویس کہیں یہ پوچھ بیٹھے کہ ”صاحب ”شوکتِ اسلام“ کے جشن کارنیوال پر کتنی رقم خرچ ہوئی۔ یہ سوال سن کر چوہدری صاحب کی عقابی نگاہوں میں سرخی کی لہر دوڑ گئی۔ اور انہوں نے ادھر ادھر دیکھا کہ ”اسلام پسند“ صحافیوں کی معقول تعداد نظر آئی اور اس سوال پر اصرار کا خدشہ محسوس نہ ہوا تو وہ بڑی خوبصورتی سے اس سوال کو گول کر کے آگے بڑھ گئے۔ یہ تو خیر گزری کہ اس اخبار نویس نے یہ سوال نہ کیا یہ رقم آئی کہاں سے؟

صدر میں مودودیوں کا داخلہ ممنوع

مودودیوں نے جلوس سے لوٹتے وقت کراچی صدر کے جس علاقے میں ایک عیسائی لڑکی کو چھیڑا تھا جس پر اس خاتون نے بجا طور پر ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا، اب سنا ہے کہ وہاں سفید قمیض سفید پائجامے یا شلوار اور ٹیڈی ڈاڑھی والے لوگوں کا گزرنا مشکل ہو گیا ہے، جب تک باآوازِ بلند اس وضع قطع کے صاحب یہ اعلان نہ کریں کہ ہفت روزہ الفتح کراچی۔ ان کا مودودی جماعت سے جائز یا ناجائز کوئی تعلق نہیں ہے اس وقت تک ایسے کسی سفید پوش کو ادھر سے گزرنے نہیں دیا جاتا۔

برنس روڈ کے علاقے میں ہزاروں روپے کی لاگت سے تیار کئے جانے والے دروازے کو ”باب الاسلام“ کا نام دیا گیا تھا۔ اس کے متعلق اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ یہ دروازہ انتخابات تک قائم رکھا جائے گا، لیکن بعد میں جانے کیا ہوا کہ ”باب الاسلام“ کو ”نعوذ باللہ“ خود مسلمانوں نے گرا دیا اور اب اس کا ملبہ ایک بینک کی برانچ کے سامنے پڑا ہے۔ کیا باب الاسلام گر سکتا ہے؟ نہیں، کبھی نہیں، لیکن ایسا نام نہاد باب الاسلام جو کاروبار میں ہر خیانت کرنے والے تاجر بنائیں وہ منہدم ہو سکتا ہے۔

خانۂ کعبہ کا تعزیہ

بارہ ربیع الاول کو جلوس نکالا جائے تو وہ بدعت ہو جاتی ہے لیکن مودودی صاحب کا جلوس جو کسی صورت میں کارنیوال کے جشن سے کم نہیں تھا اس سے اسلامی تاریخ کی روایت میں نیا اضافہ ہوا۔ مودودی صاحب کی جماعت نے تعزیے بھی نکالنے شروع کر دیئے، کراچی کے جلوس میں مودودیے خانۂ کعبہ کا تعزیہ اٹھائے چل رہے تھے۔ تعزیوں کو ہندوؤں کی رسومات کی تقلید سے منسوب کرنے والے علمائے دین کیا کہتے ہیں بیچ اس مسئلہ کے۔

یوم شوکتِ اسلام کے موقع پر ایک صحافی جماعت کے باداموں کیلئے ہاتھ پھیلا رہا ہے

درحقیقت !!

سعودی عرب میں مودودی جماعت کی پراسرار سرگرمیاں

نمائندہ الفتح جدہ

حال ہی میں سعودی عرب کے اخبار "الجز" میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "پہلا پاکستانی اسکول"، اس کے مصنف ہیں ہفت روزہ "زندگی" کے اصل مدیر الطاف حسن قریشی۔ یہ مضمون رپورتاژ کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ اس میں جدہ کا ایک لکھ پتی، عباس حسین ملک کی تعریف و توصیف اتنی زیادہ کی گئی ہے کہ اسکول اور اس کی عمارت اس مدح سرائی میں دب کر تقریباً معدوم ہو گئی ہے۔ رپورتاژ پر حسین ملک کی شخصیت شروع سے آخر تک اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ یہ رپورتاژ صرف حسین ملک کی خوشنودیٔ طبع کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔

یہ حسین ملک کون ہیں؟ یہ بھی سن لیجئے۔ چند سال قبل کا ذکر ہے یہ پاکستان سے جدہ آئے قلاش اور پھٹے حال۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے اپنی قومیت تبدیل کی اور سعودی عرب شہریت اختیار کر لی پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے پاس دولت کی ریل پیل شروع ہو گئی جدہ کی سڑکوں پر ان کی لمبی لمبی کاریں دوڑتی نظر آنے لگیں، جائیداد کا وسیع جال پھیلنے لگا۔ بنک بیلنس بڑھنے لگا عرب شیوخ کے ساتھ تعلقات بڑھنے لگے۔ پرتکلف ضیافتیں ہونے لگیں۔ ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ ان کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ لوگ حیران تھے کہ ان کے پاس کون سا چراغ الہ دین ہے کہ راتوں رات محتاج سے تونگر بن گئے رفتہ رفتہ اس راز سربستہ پر سے پردہ اٹھنے لگا۔ معلوم ہوا کہ قاسم بھٹی مرحوم سے، جنہیں اسمگلنگ کا بادشاہ، کہا جاتا تھا، ان کا خصوصی مراسم تھے۔ ان تعلقات کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔ نہ اب قاسم بھٹی اس دنیا میں موجود ہیں اور نہ حسین ملک پاکستانی رہے۔

لیکن اس رپورتاژ کو پڑھ کر ایک بات ضرور کھٹکی وہ یہ کہ الطاف حسن قریشی نے عباس حسین ملک کی قصیدہ خوانی میں اس طرح زمین و آسمان کے قلابے کیوں ملائے۔ کیا یہ تعریف اور توصیف بے سبب ہے؟ ان اسباب پر روشنی ڈالنے سے قبل مناسب ہوگا کہ مودودی جماعت کے ان نمائندوں کا بھی لگے ہاتھوں ذکر ہو جائے جو کسی نہ کسی بہانے یہاں اکثر وارد ہوتے رہتے ہیں۔

یہ لوگ مختلف انداز سے اپنی جماعت کے لئے "چندہ" اکٹھا کرتے پھرتے ہیں۔ ان کی اسلامی درس گاہوں کے نام پر کبھی یتیم خانوں کے لئے یتیموں کی فریاد سنا کر، کبھی اسلام کی تبلیغ کے لئے، کبھی مساجد کی تعمیر کے لئے۔ لیکن گذشتہ چند ماہ سے انہوں نے اس دریوزہ گری کی تکنیک بدل دی ہے۔ اب یہ اس قسم کی افواہیں پھیلاتے ہیں کہ پاکستان میں اسلام کے وجود کو زبردست خطرہ ہے۔ کلام الٰہی کی بے حرمتی ہو رہی ہے مسجدوں میں تالے پڑ گئے ہیں۔ کفر و الحاد بڑھ رہا ہے یہ اور ایسی ہی دوسری گمراہ کن اور اشتعال انگیز باتوں سے یہ لوگ مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرتے ہیں۔ اور شاہ سے گدا تک، ہر ایک سے عطیے وصول کرتے ہیں اور ان عطیات سے پاکستان میں مودودی جماعت کا سیاسی پروپیگنڈا ہوتا ہے۔ انتخابی مہم کے جلسے ہوتے ہیں، جلوس نکالے جاتے ہیں۔ پوسٹر اور پمفلٹ شائع کئے جاتے ہیں، رسالے اور اخبارات جاری کئے جاتے ہیں۔

مودودی جماعت کے ایجنٹوں کی سرگرمیاں صرف اسی حد تک محدود نہیں۔ یہ چند روز مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کرتے ہیں اور پھر "خفیہ کارروائیوں" میں لگ جاتے ہیں۔ یہ خفیہ کارروائیاں کیا ہیں۔ ان کے بارے میں یہاں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں۔ البتہ ایک بات بہت واضح ہے۔ وہ یہ کہ مودودی جماعت کے یہ نمائندے اکثر آرامکو (عربین امریکن آئل کمپنی) کے امریکی افسروں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ان پر اسرار ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ عرب اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ وہ امریکیوں سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ امریکہ اسرائیل کا سرپرست ہے۔ اسرائیل جس کے ہاتھوں عربوں پر ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ جس نے بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی اور عربوں کے خلاف

ہفت روزہ الفتح کراچی

جس کی جارحیت شدید سے شدید تر ہوتی جارہی ہے۔

مودودی جماعت کے ایجنٹوں کی ان سرگرمیوں سے سعودی عرب میں پاکستان کا قومی وقار مجروح ہورہا ہے اور پاکستانیوں کے لئے عربوں کے جذبات میں سرد مہری پیدا ہوتی جارہی ہے۔ نفرت کا لاوا اندر ہی اندر پک رہا ہے۔ اگر بروقت اس طرف توجہ نہ دی گئی تو ہو سکتا ہے کہ یہ صورتِ حال کوئی ناخوش گوار شکل اختیار کرے۔ اس سلسلے میں "زندگی" اور ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" کے مدیر الطاف حسن قریشی کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ وہ کئی بار سعودی عرب کا دورہ کر چکے ہیں۔ ہر بار ان کی سرگرمیاں یہاں پُراسرار ہیں ان کی نوعیت کا اندازہ صرف اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے رسالے میں امریکی فضائی کمپنی کے علاوہ یہودی کمپنیوں کے اشتہارات بڑی پابندی کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔ ان کے رسالے "اردو ڈائجسٹ" کی ایک خصوصیت اور ہی ہے۔ وہ یہ کہ اس میں بیرونی ممالک، خصوصیت کے ساتھ مشرقی یورپ، کے بارے میں جو اشتعال انگیز فرضی داستانیں اور فیچر شائع ہوتے ہیں، وہ امریکی شعبۂ اطلاعات کے ذرائع سے مہیا کئے جاتے ہیں۔ معتبر راویوں کا کہنا ہے کہ ان کی نوعیت بھی اشتہار کی ہے اور معاوضہ عام اشتہار کے مقابلے میں دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔

اسی طرح یہاں کچھ اور بھی پاکستان مقیم ہیں جو خود کو اخباری نمائندہ بتاتے ہیں۔ مگر ان کی سرگرمیاں بڑی مشتبہ ہیں۔ یہ سعودی عرب کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے عرب ممالک کے بھی دورے کرتے رہتے ہیں۔ اچھے ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں۔ اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے ہیں۔ اور بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ کیا پاکستانی اخبارات ان کو اتنا اچھا معاوضہ دیتے ہیں؟ لطف یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر خود کو ایسے پاکستانی اخبارات کا نمائندہ بتاتے ہیں۔ جن کا نام پاکستان میں رہنے والوں نے بھی کہیں نہ سنا ہوگا۔

حال ہی میں پاکستان کے ایک روزنامہ اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ بیروت میں مقیم ایک پاکستانی صحافی اقبال سہیل کو چند نامعلوم افراد نے اس لیے زدوکوب کیا کہ وہ آج کل امریکہ کی حمایت میں سوشلزم کے خلاف مضامین لکھ رہے تھے۔ اس خبر میں کتنی صداقت ہے۔ اس کا اندازہ عرب ممالک میں مقیم پاکستانیوں کو بخوبی ہے وہ اقبال سہیل صاحب کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ راز آج تک نہ کھل سکا کہ وہ کس پاکستانی اخبار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ الطاف قریشی کا روزنامہ تو اب نکلا ہے۔ لیکن اقبال سہیل گذشتہ کئی برس سے اپنے آپ کو اخباری نمائندہ کہتے ہیں۔ جن اخبارات میں ان کی تحریریں شائع ہوتی رہیں ان کا عالم یہ ہے کہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ اپنے مقامی عملے کو یکمشت تنخواہ ادا کر سکیں۔ اقبال سہیل کے اخراجات وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ جبکہ اقبال سہیل ٹھاٹھ کی زندگی گزارتے ہیں۔ آج بیروت میں ہیں کل مکہ معظمہ میں،

مودودیوں نے
پاکستانی بچوں پر
تعلیم کے
دروازے بند کردیے

پرسوں جدہ میں۔ بغداد، دمشق، قاہرہ وغیرہ جانے کی توانہیں کم ہی توفیق ہوتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے فضائی اخراجات، ہوٹلوں کا کرایہ کون برداشت کرتا ہے؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے جو شک وشبہات کو جنم دیتا ہے۔

اخباری صنعت کے توسیع پسند مدیر و مالک الطاف قریشی اپنے ماہنامے میں سعودی عرب کے ہر خیر شخص کی شان میں قصیدے رقم کرتے ہیں۔ ہمیں یہ انکشاف کرنے کی حاجت نہیں ہے کہ ان کے پاس سعودی عرب سے پاکستان تک ترسیل زر کے قانونی اور غیر قانونی تمام امکانی ذرائع موجود ہیں۔ قانونی اس لئے کہ ان کے پرچے کی ایک ایسی تعداد سعودی عرب میں جاسکتی ہے، جو اصل سے سینکڑوں زیادہ ہو، اور غیر قانونی اس طرح کہ انہوں نے ایسے لوگوں کی مدح سرائی بھی کی ہے جن کا پاکستان اور سعودی عرب دونوں ملکوں میں کاروبار چلتا ہے۔ اور وہ گھر بیٹھے سعودی ریالوں کی پاکستانی روپوں میں ترسیل کر سکتے ہیں۔ اب جب کہ یوم حساب آگیا ہے۔ اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ ہو رہا ہے تو ہم موصوف سے یہ عرض کریں گے کہ چونکہ ان کی آواز ان کے پرچے یا دوسرے ذرائع سے سعودی عرب تک پہنچ جاتی ہے لہٰذا وہ اپنے کارندوں کو یہاں سے واپس بلالیں جو "اسلام" کے نام پر حرمین الشریفین میں اپنی "گداگری" کے ہتھکنڈوں سے پاکستانیوں کی خودداری اور غیرت کو نیلام کر رہے ہیں۔

اب "الجز" کے رپورتاژ کا کچھ ذکر ہو جائے۔

الطاف حسین قریشی نے پاکستانی اسکول سے زیادہ اسکول کے ان داتا کا قصیدہ لکھ مارا، لیکن انہوں نے سعودی عرب کے دارالحکومت الریاض کے پاکستانی اسکول کا کوئی ذکر نہیں کیا، شاید اس لئے کہ اس کا کفیل کوئی ان داتا نہیں بلکہ پاکستانی مل جل کر اس کے اخراجات برداشت کرتے تھے۔ سنا ہے کہ یہ پاکستانی اسکول کافی دنوں سے چل رہا تھا، وہاں کے بے شمار پاکستانی ملازموں کے بچے یہاں بڑی اچھی طرح تعلیم حاصل کر رہے تھے، ماں باپ بھی خوش تھے کہ اس طرح ان کی اولاد کا مستقبل ان کی مصروفیتوں کی وجہ سے تباہ ہونے سے بچ گیا۔ مگر ایک روز ایسا ہوا کہ اچانک فرمان شاہی پہنچا کہ "وہ اسکول فوراً اور اسی وقت قطعی طور پر بند کر دیا جائے" چنانچہ اسکول بند ہوگیا۔ والدین کو تشویش ہوئی، حکومت کو درخواستیں دی گئیں، شاہ کو تار بھیجے گئے مگر جواب یہ ملا کہ "یہ اسکول فحاشی کا اڈہ تھا، اس لئے کہ یہاں عورتیں اور مرد جمع ہوتے تھے۔ اور تقریبات منعقد ہوتی تھیں جو شرعی طور پر ناجائز ہے۔"

بات پاکستانی سفارت خانے تک پہنچی، سفارتی سطح پر شاہ سے رجوع کیا گیا تو شاہ نے نہایت افسوس کے ساتھ چند پاکستانیوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ شکایت نامہ پاکستانی سفیر کو پڑھنے کے لئے دیا جس

میں اس قسم کے الزامات خوب نمک مرچ لگا کر درج کئے گئے تھے۔ ساتھ ہی شاہ نے یہ بھی کہا کہ یہ الزامات خود پاکستانیوں نے اپنے اسکول کے خلاف تحریری طور پر لگائے ہیں۔ لہٰذا ان مستند شہادتوں کے بعد شرعی کونسل نے اسکول بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور یہ فیصلہ چونکہ کونسل کا ہے اور شرعی کونسل کے فیصلے کو بادشاہ بھی منسوخ نہیں کر سکتا اس لئے میں مجبور ہوں" شاہ کی مجبوری بجا۔ لیکن آپ ان مودودیوں کی دیدہ دلیری اور بددیانتی دیکھئے کہ انہوں نے اپنے مقاصد کی بر آوری کے لئے بہت سے معصوم بچوں کا مستقبل تباہ کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔ وجہ صرف اتنی ہے کہ اس سے پہلے جتنے اسکول پاکستانیوں کے یہاں قائم ہیں ان پر مودودیوں نے اپنی آمریت مسلط کر رکھی ہے۔ دراصل ان اسکولوں کی آڑ میں انہیں بے پناہ چندہ جمع کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ اسکول پاکستانی ملازمین نے مل جل کو اپریٹو بنیادوں پر قائم کیا تھا۔ پہلے تو مودودیوں نے کوشش کی کہ اس کا نظم و نسق ان کے قبضے میں آجائے اس میں ناکام ہوئے تو انہوں نے یہاں اپنے اساتذہ بھیجنے چاہے۔ لیکن پاکستانی ملازمین کو ان کی کرتوتوں کا اچھی طرح علم تھا اس لئے وہ ان کے جال میں نہ آئے اور اس اسکول میں انہیں کسی طور بھی گھسنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہیڈ مسٹریس ان کی اپنی مقرر کی ہوئی کوئی خاتون ہو۔ اور یہ نہ ہو سکا مودودی جماعت اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس پر قبضہ نہ کر سکی تو اسے یہ ناگہانی اسکول فحاشی کا اڈہ نظر آنے لگا۔ اس نے مودودی حکومت کو تار بھیجے اپنے ہاتھوں لکھی ہوئی درخواستیں بھیجیں۔ غرض کہ اس طرح اسکول کو بند کروا دیا گیا۔ اور بہت سے بچے تعلیم کی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔

والدین کی پریشانی تر تھی۔ علاوہ ازیں حکومت کی نظروں میں پاکستانی قوم کا وقار یوں گرایا کہ وہ بیرونی ملک اسکولوں کے بہانے فحاشی کے اڈے قائم کرتی ہے۔ افسوس کہ مودودیوں کو اپنے وطن کے وقار کا ہی خیال نہ آیا۔ اس واقعہ کے بعد یہاں کے پاکستانیوں پر مودودیوں کی "اسلام پسندی" کا بھرم پوری طرح کھل گیا ہے۔ یہاں کے لوگ منتظر رہے کہ شاید کسی "اسلام پسند" ماہنامے، ہفت روزے یا روزنامہ میں اس واقعہ کا ذکر آئے کیونکہ ان کے نمائندے یہاں موجود ہیں، لیکن کسی اخبار میں اس کا ذکر نہ آیا۔ آتا بھی کیسے کہ یہاں یہ لوگ اخبارات کی نمائندگی کے لئے نہیں اپنی جماعت کی خفیہ سرگرمیوں اور سامراجی سازشوں کی تکمیل کے لئے آتے ہیں۔

اسلام اور نظریۂ پاکستان کے نام پر بیروزگاری

پاکستان میں اجارہ دار صنعتکاروں، سرمایہ داروں اور فرقۂ مودودیہ کے گٹھ جوڑ کے باعث۔ اکثر محبان وطن افراد کو روزگار سے محروم کیا جا رہا ہے روزگار سے محرومی کے مذموم ترین مقصد کے لئے اسلام اور نظریۂ پاکستان کے مقدس ترین نام استعمال کئے جا رہے ہیں، اس ناپاک سازش کا مقصد دراصل محبان وطن کو اس حد تک مایوس کرنا ہے کہ وہ ان تمام مقدس روایات کو فراموش کر کے ضمیر فروش بن جائیں۔ ہم اسلام اور نظریۂ پاکستان کے نام پر روزگار سے محروم کئے جانے والے تمام افراد سے درخواست کریں گے کہ اپنے ساتھ بیتنے والی ایسی وارداتوں کی تمام تر جزئیات کے ساتھ تفصیلات لکھ کر ہمیں بھیجیں تاکہ اس فرقے کی وطن اور عوام دشمن تمام سازشیں قوم کے سامنے آ سکیں۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کے نام صیغۂ راز میں بھی رکھے جا سکتے ہیں۔

۸۷، ڈی، نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس
کراچی ۲۹

قیوم خان

کراچی میں غفار خاں کے پاؤں پڑ گئے

★ وہاب صدیقی

پاکستان مسلم لیگ کے صدر جناب عبدالقیوم خان ان دنوں نظریۂ پاکستان، اسلام اور جمہوریت کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ وہ مضبوط مرکز کے حامی ہیں۔ ایسا مرکز جس کے سامنے صوبوں کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ ان کے خیال میں چھ نکات یا صوبائی خود مختاری کا مطالبہ تسلیم کرنے سے ملک پارہ پارہ ہو جائے گا جناب خان قیوم، مجیب الرحمان۔ ممتاز دولتانہ اور ولی خاں کو پاکستان کے بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ البتہ انہوں نے مولانا عبدالحمید خان بھاشانی، ذوالفقار علی بھٹو، نورالامین، نوابزادہ نصراللہ خاں اور مولانا مودودی پر کرم کرتے ہوئے "محب وطن" کا خطاب سے نواز دیا ہے۔ ورنہ موصوف کے علاوہ پاکستان کے تمام سیاسی رہنما غداروں کی فہرست میں آجاتے۔ انھیں اپنی جماعت کی مقبولیت پر بہت غرور ہے وہ اپنی جماعت کو پاکستان کی واحد نمائندہ جماعت سمجھتے ہیں۔ جناب خان قیوم آر۔ سی۔ ڈی کی موجودہ، کارکردگی سے بالکل مطمئن نہیں وہ افغانستان، ایران ترکی اور پاکستان پر مشتمل ایک کنفیڈریشن بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں بھارتی مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم و تشدد سے بچانے کا واحد حل یہ ہے، کہ بھارت میں ایک اور پاکستان بنایا جائے۔

خان قیوم کے ان بیانات کو پڑھ کر عوام سمجھتے ہوں گے کہ قیوم خاں سے بڑھ کر پاکستان میں محب وطن جمہوریت پرست، اسلام پسند اور بھارتی مسلمانوں کا ہمدرد کوئی نہیں۔

لیکن خان عبدالقیوم خاں کل کیا تھے؟ یہ جاننے کے لئے تاریخ کے اوراق دیکھنے ہوں گے کیونکہ تاریخ نہ صرف واقعات گذشتہ کا عکس ہے بلکہ حال اور مستقبل کا آئینہ بھی ہے۔

خان قیوم پرانے تجربہ کار کانگریسی رہنما اور مرکزی قانون ساز اسمبلی میں کانگریس کے ڈپٹی لیڈر تھے جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی وہ کانگریس کا حق نمک ادا کر رہے تھے خان قیوم ہمیشہ سے اقتدار کے بھوکے ہیں۔ عوام میں غفار خاں اور ڈاکٹر خاں صاحب کی، مقبولیت کے باعث انھیں معلوم تھا کہ وہ وزیر نہیں بن سکیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ پاکستان ناگزیر ہو چکا ہے اور مسلم لیگ میں شامل ہونے سے مسندِ اقتدار تک رسائی جلد حاصل ہو جائے گی تو وہ فوراً آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد صوبہ سرحد کے کانگریسی وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خاں صاحب نے پاکستانی پرچم کو سلامی دینے سے انکار کر دیا تو قائداعظم کے حکم پر گورنر سرحد سر جارج کننگھم نے ڈاکٹر خاں کو ۲۲۔ اگست ۱۹۴۷ء کو برخاست کر دیا۔ خاں قیوم کو ۲۲۔ اگست کو کابینہ بنانے کی دعوت دی گئی، جو انہوں نے فوراً قبول کر لی۔ اس طرح خاں قیوم کی حصولِ اقتدار و طاقت کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔ لیکن بدنصیبی یہ تھی کہ اسمبلی میں مسلم لیگی اراکین کل پندرہ تھے۔ جب کہ کانگریسیوں کی تعداد ۲۲ تھی۔ اس پہ طرہ یہ کہ بعض مسلم لیگی رکن مثلاً پیر صاحب آف مانکی شریف انھیں پسند نہیں کرتے تھے اس صورت حال سے خاں قیوم سخت پریشان تھے۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو بجٹ پاس کروانا تھا۔ جو وہ نہیں کروا سکتے تھے۔ انہوں نے سرحد کے گورنر کو مشورہ دیا کہ صوبائی اسمبلی کو برخاست کر کے ہر تیسرے سال ریفرنڈم کے ذریعے کسی شخص کو لیڈر منتخب کیا جائے اور وہ منتخب لیڈر اپنے تین چار ساتھیوں کی مدد سے کاروبارِ حکومت چلائے۔ گورنر نے اس جمہوریت کش مشورہ کو مسترد کر دیا۔ کیونکہ قائداعظم کی موجودگی میں جمہوریت کا جنازہ نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ اب اسے قیوم خاں کی خوش نصیبی ہی کہہ سکتے ہیں کہ جنوری ۱۹۴۸ء میں اسمبلی کے سات کانگریسی رکن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اس طرح مارچ ۱۹۴۸ء میں قیوم خاں بجٹ پاس کروانے میں کامیاب ہو گئے۔

اپنی مسندِ اقتدار کو محفوظ پا کر وہ فرعون بن گئے۔ اپنے ذاتی دشمنوں کو پاکستان دشمن قرار دے کر انہیں کچلنے کا ارادہ کیا۔ گورنر سرحد جارج کننگھم نے قائداعظم کو لکھا کہ سرحد کے عوام اور خدائی خدمت گار پاکستان کے نہایت

ہفت روزہ الفتح کراچی

بابڑہ کے اجتماع کو پولیس نے گولیوں سے بھون ڈالا

نشتر پارک کے جلسہ عام میں قیوم خان کی آمد پر ہیجڑے ناچ رہے ہیں

وفادار ہیں۔ غفار خاں اس حیثیت میں نہیں کہ وہ ملک کے خلاف کچھ کر سکیں لیکن وہ خدائی خدمت گاروں میں مقبول ہیں۔ اگر انہیں گرفتار کیا گیا تو عوام میں حکومت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک جائے گی۔ قائد اعظم نے اس مشورے سے اتفاق کرتے ہوئے۔ قیوم خاں کو ہدایت کی کہ وہ غفار خاں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں۔ لیکن اقتدار کے نشے میں مست قیوم خاں نے بابائے ملت کی ہدایت پر کوئی توجہ نہیں دی اور غفار خاں، ڈاکٹر خان صاحب، قاضی عطاءاللہ خاں اور دیگر لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔

ان گرفتاریوں کے خلاف خدائی خدمتگاروں نے ۱۲۔ اگست ۱۹۴۸ء کو چارسدہ میں جلوس نکالنے اور پھر بابڑہ کے میدان میں جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا لیکن قیوم خاں یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے خلاف احتجاج کیا جاتے اور وہ بھی ان کے دورِ اقتدار میں، چنانچہ بابڑہ کے میدان میں جلیانوالہ کی تاریخ دہرائی گئی۔ پولیس اور فوج نے اجتماع کو گولیوں سے بھون ڈالا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس فائرنگ میں ساڑھے چار سو افراد ہلاک اور کئی ہزار زخمی ہوئے۔ بلکہ فائرنگ کے بعد خدائی خدمتگاروں کا منہ کالا کر کے انہیں گدھے پر سوار کرایا گیا۔ پولیس نے طے شدہ منصوبے کے مطابق لاشوں کو ٹرکوں میں بھر کر نامعلوم مقام پر پہنچا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ لاشیں دریا کی نذر کر دی گئی ہوں۔

خاں قیوم کی تمام اکڑ اور خوبو [?] محض اقتدار کی وجہ سے تھی۔ جب غفار خاں جیل سے رہا ہوئے تو خاں برسرِ اقتدار نہ تھے۔ کراچی کے ایک ہوٹل میں وہ غفار خاں سے ملے اور ان کے پاؤں میں بیٹھ کر نہ صرف معافی مانگی بلکہ یہ بھی کہا کہ خدائی خدمتگاروں اور ان کے خلاف جو کچھ ہوا۔ اس کی ذمہ دار مرکزی حکومت تھی۔ جب ڈاکٹر خان صاحب مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ تھے تو لاہور ہائی کورٹ میں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت غفار خاں کے خلاف مقدمہ چلا۔ جسٹس شبیر احمد کی عدالت میں خاں قیوم نے اپنی گواہی کے دوران بابڑہ فائرنگ سے لاتعلقی ظاہر کی اور ایسا بیان دیا جس سے غفار خاں کو فائدہ پہنچا۔

جناب عبدالرب نشتر کے انتقال کے بعد خاں قیوم پاکستان مسلم لیگ کے صدر بنے۔ ۱۹۵۸ء کے وسط میں انہوں نے انتخابی مہم کا آغاز کیا۔ عوام کی مسلم لیگ سے عقیدت و محبت اور برسرِ اقتدار ری پبلکن پارٹی سے نفرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام نے مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کی جہلم سے گجرات تک خاں صاحب کا تیس میل لمبا جلوس نکلا۔ عوام کے اس جوش و خروش کو خاں قیوم نے اپنی مقبولیت جانا اور کامیابی کا یقین ہو جانے کی وجہ سے انہوں نے حزبِ اقتدار پر اپنے مخصوص انداز میں گالیوں اور دھمکیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ صدر اسکندر مرزا نے عوامی بیداری خائف ہو کر ایوب خاں سے ناطہ جوڑا

اور اس طرح ملک پر مارشل لا۔ نافذ ہو گیا اور دورِ ایوبی شروع ہوا جسے ہر مورخ سیاہ ترین دور سے تعبیر کرے گا۔

ایوب حکومت نے قیوم خاں کو گرفتار کیا تو جیل میں اس نے معافی نامہ لکھ دیا اور وعدہ کیا کہ وہ سیاست سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہو جائیں گے چنانچہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخاب اور ایوب آمریت کے خلاف عوامی تحریک کے دوران "خان اعظم" محلّۂ عافیت سے باہر نہیں آتے۔ لیکن جب ۱۳ مارچ کو گول میز کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں ایوب خاں نے دو مطالبات منظور کر لئے۔ اور آتش فشاں مطلع سیاست صاف ہو گیا تو ۱۵ مارچ کو خاں قیوم بھی ٹرک پر سوار چند لڑ بازوں کے جلو میں راولپنڈی کے بازار میں نمودار ہوتے اور قائداعظم مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت بنا ڈالی۔

جب ایوب خاں کنونشن مسلم لیگ کی صدارت سے سبکدوش ہوتے تو چند جاہ پسند اور اقتدار کے خواہاں کنونشن مسلم لیگی خاں قیوم سے آملے اور خاں صاحب نے ترنگ میں قائداعظم مسلم لیگ کو پاکستان مسلم لیگ کا نام دے کر اپنے تئیں مسلم لیگ کے دھڑوں کو متحد کر دیا

قطعات

اختر کاظمی

پتھر ہماری راہ میں حائل ہیں آج بھی
درپیش کل جو تھے وہ مسائل ہیں آج بھی
اس بیکراں سکوت میں لگتا نہیں ہے دل
ہم لوگ انقلاب پہ مائل ہیں آج بھی

ہر قدم موت کے سامان کہاں تھے پہلے
اس قدر لوگ پریشاں کہاں تھے پہلے
چاک دامن تو بہر حال رہا ہے لیکن
ہاں مگر چاک گریباں کہاں تھے پہلے

اے صاحبانِ فکر و نظر جاگتے رہو
حالات ہو رہے ہیں دگر جاگتے رہو
سوئے اگر تو اُٹھ نہ سکو گے تمام عمر
آواز دے رہی ہے سحر جاگتے رہو

بھارت
ایک سفر۔

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے کہا

تم نے چین کی طاقت کو سمجھے بِنا اتنے جوانوں کو نیفا بھیج کر کٹوا دیا

یہ سلسلہ جو ایک آدمی کے موجودہ ہندوستان میں مسلسل سفر سے شروع ہوتا ہے۔ اسے داستان سمجھا جائے نہ سرگزشت۔ آدمی اس میں محض اتفاق ہے اس کا سفر اس کے جذبات کی قدرتی مجبوری ہے وہ اپنے تاثر اور عمل میں اچھا بُرا دونوں ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ بہت حد تک سادہ ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ سامنے آنیوالی ہر چیز دیکھے، محسوس کرے اور جب اسے رائے قائم کرنے کا موقع ملے تو ٹھوس اظہار کی کوشش کرے

اچھا اب آگے کی بات سنئے۔ یہ ۱۹۶۲ء کا ہندوستان ہے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب عوامی جمہوریہ چین کے ہاتھوں عبرتناک شکست کھانے کے بعد پنڈت نہرو کی صحت خراب رہنے لگی ہے۔ لیکن ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کی سوشلسٹ پارٹی (ایس۔ ایس۔ پی) اور جن سنگھ نے بیماری کی تشہیر کچھ اس طرح کی ہے گویا نہرو کی خرابیٔ صحت کا معاملہ چین پر حملہ کرنے کی حماقت کے ردِّ عمل میں کھوئی ہوئی مقبولیت کا بہانہ تھا۔ ڈاکٹر لوہیا نے تو نہرو پر اعتراضات کی انتہا کردی تھی۔ وہ کہا کرتے۔

تمہاری سرکار کا خفیہ دبھاگ (محکمہ جاسوسی) اتنا نکما ہے کہ ایک بھی چینی جاسوس نہ پکڑ سکا۔

تم نے چین کی طاقت کو سمجھے بنا ہمارے اتنے جوانوں کو نیفا بھیج کر کٹوا دیا۔

تمہیں سرکار کی طرف سے جب بھاری تنخواہ ملتی ہے تو تم دوسری شاہ خرچیوں کے لئے روپئے کہاں سے لاتے ہو۔

تمہارے کتوں پر کتنا خرچ آتا ہے؟

تم بادشاہوں کے اتنا نوکر رکھنے کا کیا ادھیکار رکھتے ہو۔ تمہارے نوکروں پر کتنا خرچ آتا ہے؟

تمہاری کوٹھی میں ہر بار قالین کیوں بدلے جاتے ہیں۔ ان کی ہر بار خرید پر کتنا خرچ آتا ہے؟

پنسلین باہر سے چھ پیسے میں آتی ہے اور تم ہم کو چھ آنے میں دیتے ہو؟

تم دہلی کی گدی پر راجہ بنے بیٹھے ہو تمہاری بیٹی جن سیوا دل کی اگوائی کے بہلنے جنتا پر راج کرتی ہے۔

تم چاہتے ہو کہ تمہارے بعد تمہاری بیٹی بھارت کی پردھان منتری بنے تاکہ لوگوں کو ایک خوبصورت چہرہ روز دیکھنے کو ملے

تمہارا پریوار (خاندان) ہندوستان کا ستیا ناس کررہا ہے۔

ڈاکٹر لوہیا کے ان برجستہ اعتراضات سے پنڈت نہرو بوکھلا جاتے اور تنگ آکر ہر اعتراض کے جواب میں کہتے "ہاں بس اتنا خرچ کرتا ہوں۔ تم جو جی میں آئے کرو"۔ نہرو کی صحت پر جہاں چین سے شکست کا ردِّ عمل تھا، وہاں لوہیا کے سنگین

کلکتے کے
ہندوؤں نے مسلمانوں کو سڑکوں پر زندہ جلادیا

تحریر:- احمد ہمیش

اعتراضات۔ کا بُرا اثر پڑا۔ میں نے ایک نیوز ریل میں آخری دنوں کی تصویر دیکھی کہ نہرو اپنی کوٹھی کے لان سے کسی بیرونی ملک کے سفیر کے ساتھ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے نکل رہے ہیں۔ ان کا سیکریٹری انکا بازو تھامے ہوئے ہے۔ انکا چہرہ سوجا ہوا ہے۔ اس کے باوجود چلنے کے ڈھنگ پنڈت نہرو اپنی خاندانی کشش کی کوئی نہ کوئی جھلک دکھا رہے ہیں۔ مثلاً باتیں کرتے ہوئے ہونٹ ہلانے اور مسکرانے کی ادا ویسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسی صحت مندی کی صورت میں ہوتی ہے۔ ڈاکٹر لوہیا کے بقول نہرو ایک سیاسی مسخرا ہے۔ اس کا دماغ ولائتی ہے۔ وہ تو کالا انگریز ہے اور نہرو سرکار کالے انگریزوں کی سرکار ہے۔ گورے انگریز تو چلے گئے مگر ان کی جگہ ان کالے انگریزوں نے لی ہے۔ ہندوستان میں تو سدا سے لوگس بڑکپن کی پوجا کی گئی ہے۔ اس طرح لوہیا نہرو پر شدید اعتراضات کرتے اگر کبھی اتفاق سے نہرو اور اندرا گاندھی لوک سبھا میں اکٹھے ہوتے تو کوئی نہ کوئی چھیڑ نکال کر لوہیا نہرو سے "تم اور تمہاری خوبصورت بیٹی" کہکر مخاطب ہوتے۔ لوک سبھا نے اس طرح ایک سیاسی سرکس کی شکل اختیار کر لی۔ برسر اقتدار پارٹی کا مسخرا جب کرتب دکھاتا تو اپوزیشن کا مسخرا اس کی ٹانگ کھینچ کر اسے نیچے گرا دیتا۔ باقی لوگ تالیاں بجاتے یا سر پیٹتے۔ اپوزیشن میں ڈاکٹر لوہیا کی حرارتوں پر کانگریسی ممبر پیچ وتاب کھاتے۔ دائیں بازو کے کمیونسٹ ممبر چین کے خلاف بھارت کی شکست کے بعد روسی ہدایت کے بموجب نہرو کے حمایتی بن گئے اور نہرو کی سوشلزم کا پرچار بمبئی سے شائع ہونے والے ہفتہ وار بلٹز میں پابندی سے ہونے لگا۔

نہرو کی موت سے کچھ ہی عرصہ قبل کلکتہ میں بڑی سطح پر فساد برپا ہوا۔ ہندو بنگالیوں نے مسلمانوں کو سڑکوں پر زندہ جلایا۔ کلکتہ کی پولیس اس قتل عام اور مسلمانوں کی دکانیں اور گھر جلانے۔ بلوائیوں کا ساتھ دینے لگی اور مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔ اس فساد سے کچھ متضاد مثالیں سامنے آئیں۔ نندا نے اس وقت فوج کو بلوائیوں پر گولی چلانے کا حکم دیا جب بہت نقصان ہو چکا تھا۔ پنڈت نہرو بیمار تھے۔ ان کے بیان کا صرف اسی قدر علم ہو سکا کہ انہیں بے حد دکھ پہنچا تھا۔ مرکز کے دائیں بازو کے کمیونسٹوں

مسز اندرا گاندھی

اور ادارہ بلٹز نے فساد کی ذمہ داری جن سنگھ پر عائد کی۔ ڈاکٹر لوہیا کا بیان تھا کہ فساد خود کانگریس نے کرایا اور الزام جن سنگھ کو دیا گیا۔ وہاں کا وزیراعلیٰ کہاں تھا جو مسلمانوں پر گولی چلانے والے پولیس والوں پر کنٹرول نہ ہوا۔ پولیس بھی تو کانگریس سرکار کی ہے۔ جن سنگھ کا کہنا تھا کہ "کلکتہ کے دنگے اور اس کے بعد کے راوڑ کیلا وغیرہ کے دنگوں میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ یہ دنگے چین اور پاکستان کے ایجنٹوں نے کرائے ہیں۔

نہرو کے بعد شاستری

پنڈت نہرو کی موت کے بعد لال بہادر شاستری کے مختصر دور میں شروع شروع میں دفتریت کا بورڈم عام ملنے لگا۔ چھوٹے بڑے سرکاری دفتروں میں نہرو کے وقت سے لال فیتا شاہی کی بنا پر ڈھیروں کے حساب سے کام ادھورے پائے گئے۔ جو بڑے سرکاری افسر پنڈت نہرو کے شاہانہ ٹھاٹ کی نقل میں کام کرنے کی محنت سے جی چرانے لگے تھے اور بھاری تنخواہیں لیتے تھے، انہیں شاستری کی دفتری لگن اور سادہ مزاجی پسند نہ آئی۔ شاستری کا اصرار تھا کہ لال فیتا شاہی میں کچھ کمی آئے۔ لیکن ان کے بارے میں جلد ہی دفتروں میں لطیفے گڑھے جانے لگے۔ ہر لطیفہ کی حد یہ ہوتی کہ شاستری بور کررہے ہیں ایک کام چور افسر نے شاستری کے بارے میں ایک واقعہ کو لطیفہ کے طور پر سنایا کہ جب شاستری نہرو کی وزارت میں ریلوے منسٹر تھے تو ایک بار ان کو ایک اسٹینو کی ضرورت پڑی۔ متعلقہ محکمہ سے اسٹینو شاستری کی کوٹھی پر آیا۔ وہ سوٹ بوٹ میں تھا اور اس نے اتفاق سے شاستری کو دیکھا نہیں تھا۔ اس نے کال بیل بجائی۔ اندر سے شاستری اپنے دھوتی کرتے میں باہر نکلے اسٹینو نے انہیں دیکھ کر سمجھا کہ شاید وہ شاستری جی کا نوکر ہے۔ اس نے ان کو نوکر کے طور پر خطاب کر کے شاستری سے ملنے کو کہا۔ شاستری نے محسوس کر لیا مگر بڑی انکساری سے کہا "میں شاستری ہوں"۔ اس انکشاف پر اسٹینو بیچارا بہت نادم ہوا

شاستری میں بہ حیثیت آدمی کے خوبیاں ضرور تھیں۔ اپنے ٹھگنے قد اور سپاٹ جسم کے باوجود مذہبی اصولوں کے احترام، سادہ رہن سہن میں پابندی سے انہوں نے اپنے اندر کچھ کشش پیدا کر لی تھی۔ دوسری پارٹیوں کے حلقوں میں کم و بیش ان کی عزت کی جاتی تھی۔ اور شروع شروع میں تو لوگ ان کو بے ضرر بھی سمجھتے رہے۔ یوں وہ بے ضرر تھے بھی۔ مگر ان میں ایک خامی یہ تھی کہ انہیں "احترام" کی آڑ میں استعمال بھی کیا جانے لگا اور وہ آسانی سے استعمال میں آئے۔ انہیں

شاستری کے بارے میں

دفتروں میں

لطیفے گھڑے جانے لگے

زرعی اصلاح کے معاملہ میں نئے تجربوں کی سوجھی تو باہری ملکوں سے ٹکنیکل تعاون لینے پر آمادہ ہو گئے۔ ۱۹۶۵ء میں امریکہ سے "پیس کور" کے نمائندوں کی ہندوستان میں باقاعدہ آمد شروع ہوئی۔ یہ لوگ مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، مہاراشٹر اور میسور کے دیہاتوں میں نئی کھاد تقسیم کرتے پھرتے اور کاشتکاری کے امریکی طریقے بتلانے لگے لیکن درپردہ یہ لوگ سی آئی اے کے ایجنٹ ثابت ہوئے۔

یوں ہندوستان میں مجموعی لحاظ سے کوئی دینی اور مذہبی معاشرہ کبھی نہیں رہا۔ نہرو کے دور سے آرٹ اور ادب کے نام پر آزاد اور نئے رجحانات اپنانے کی کوشش میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ایک عجیب نسل نے جنم لیا۔ اس نسل نے ایک طرف تو بدعنوان دیوتاؤں کے کردار اپنائے دوسری طرف امریکی اور مغربی سوسائٹی کے مزاج اور نکالے ہوئے لوگوں کے رجحان سے اثر قبول کیا۔ پنڈت نہرو کے آخری دنوں میں جہاں کلکتہ میں سیاسی مانگوں کے نام پر جلوس نکالے جاتے۔ اور مطالبات منوانے کے لئے لوگ ٹریفک کے سامنے لیٹ جاتے۔ وہاں ادب اور آرٹ کی آڑ میں بگڑے ہوئے نوجوانوں کی نسل "بھوکی پیڑھی" پیدا ہوئی۔ اس بھوکی پیڑھی کو "انسپائریشن" امریکی بیٹنک شاعر گنس برگ کی ہندوستان میں آمد سے ملا۔ گنس برگ کی برہنگی، اخلاقیات کے خلاف مظاہرہ وغیرہ کا اثر قبول کر کے "بھوکی پیڑھی" کے نوجوان شاعر کلکتہ کی سڑکوں پر پیشاب کرنے اور ہلڑ مچانے کی آزادی مانگنے لگے۔ انہوں نے ایسی نظمیں لکھنی شروع کیں جن میں زنا بالجبر سے لے کر اخباروں سے سیکھے ہوئے دیش پریم کا ذکر ہوتا۔ اور یہ لوگ ایسی نظمیں سڑکوں پر مجمع لگا کے سنانے لگتے۔ ٹریفک کے سامنے "بھوکی پیڑھی" کا ایک شاعر ملے رائے چوہدری ننگا لیٹ گیا۔ پولیس نے اسے گرفتار کیا

شاستری کے دور میں ہندی زبان کو اس حد تک ترقی ضرور ملی کہ ملٹری میں بھرتی کئے جانے والے رنگروٹوں کو پریڈ اور جنگی مشق کراتے ہوئے ہندی میں بڑے دلچسپ کاشن دیئے جانے لگے۔ عام طور پر "ساؤدھان" "اور آگے بڑھ" "پیچھے گھوم" کاشن بولے جاتے تھے۔ لیکن چین سے شکست کے ردعمل میں اور پاکستان پر یہ جتانے کے لئے کہ بھارتی فوجی زبردست تیاری کر رہے ہیں، ایک آدھ موقع ملے تو شترو (دشمن) کو تہس نہس کر دیں گے، کچھ نئے کاشن کا اضافہ کیا گیا۔ دشمن پر دھاوا بولنے کا کاشن یوں ہوتا ۔ ۔ ۔ شترو کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کاٹ دو" اُتر پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، گجرات، راجستھان اور مہاراشٹر میں ہندی میں ہی رنگروٹوں کو اس طرح کے کاشن دینے کا مطلب، فوجی ڈسپلن سکھلانے سے زیادہ دشمن سے مذہبی اور قومی اساس پر نفرت کرنا ہوتا۔

بھارت میں دھرم اور سماج ایک طرح سے "تجربہ خانے" کی مثال ہے لیکن اس کو سیاسی اصطلاح میں سیکولر راج کا نام دیا جاتا ہے اور دعویٰ یوں کیا جاتا ہے کہ بھارت نے باہر کی ہر قوم اور کلچر کو اپنے اندر جذب کیا۔ لیکن یہ جذب کرنا ایسا ہی ہے کہ کوئی انجانے میں دلدل میں پھنس جائے اور اس میں جذب ہو جائے۔ خود ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے کسی موقع پر ایک تقریر میں کہا تھا کہ بھارت میں جتنی قومیں آئیں انہیں دِلّی کی ہوا لگی۔ گدی پر بیٹھنے کے بعد نپنسک (نامرد) ہو گئیں۔ بھارت میں دیش پریم (وطنیت)، ایک ڈھونگ ہے یہاں ہر ایک باہر سے کچھ نہ کچھ اپنا کر اپنے نقلی رنگ میں رنگ لیتا ہے لیکن موقع پڑنے پر قلعی کھل جاتی ہے۔ بھاشا کا جھگڑا اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ پہلے انگریزی کو نہ ہٹایا جائے۔ "انگریزی ہٹاؤ"۔ لوہیا کے اس نعرہ کے باوجود مدراس میں ہندی کے خلاف ایجی ٹیشن میں کچھ مدراسیوں نے اپنے جسم پر تیل چھڑک کر آگ لگالی۔ یہ واقعہ پہلی بار شاستری کی وزارت کے دوران ہوا۔ شاستری کو بے حد دکھ ہوا تھا۔ یوں ہندی کے حلقوں میں اس کا کچھ اثر نہیں لیا گیا۔ ہندی والے اس خوش فہمی میں ہیں کہ ہندی بولنے والے اکثریت میں ہیں۔ سینکڑوں روزنامے، ہزار سے اوپر چھوٹے بڑے میگزین ہندی میں شائع ہوتے ہیں۔ ہندی کا بدھی جیوی (انٹلکچوئل) طبقہ ہندی کے لئے بہت سرگرم ہے بیرونی زبانوں کے زیادہ سے زیادہ ترجمے ہندی میں ہوتے ہیں۔ ہندی میں نئی نسل کے ادیب اپنے آپ کو بہت ایڈوانس سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بنگال کی "بھوکی پیڑھی" کے پروردہ ہیں۔ ان کی نظموں میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ قدروں کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ان میں سے بیشتر کے خیال میں گوتم بدھ فراڈ تھے لیکن کسی نے دیانند سرسوتی، پوری کے جگت گرو شنکراچاریہ اور گرو گوالکر کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ قدروں کے خاتمہ کے اعلان سے جنسی تعلقات کی آزادی ہند و مسلم میں آپس میں کورٹ شپ اور حد سے حد شادی وغیرہ کی مانگ کی جانے لگی۔ لیکن اگر کہیں اتفاق سے یہ سننے میں آیا کہ فلاں مسلمان کے کسی ہندو لڑکی سے تعلقات ہیں یا فلاں مسلمان نے ہندو لڑکی کو بھگا کر اس سے شادی کر لی تو پوری کے جگت گرو شنکراچاریہ سے لے کر جن سنگھ کے لیڈر اور ہندی کے بدھی جیوی (انٹلکچوئل) بیک وقت بپھر گئے اور ہنگامہ پر آمادہ ہو گئے۔ عام طور پر باتیں کرتے لکھتے پڑھتے ہوئے تو یہ لوگ اپنے آپ کو ایڈوانس ظاہر کرتے ہیں۔ جب ہند و مسلم کے درمیان کوئی متنازعہ مسئلہ آتا ہے تو ان کے اندر کا "ہندو" جاگ جاتا ہے

زندگی
اے
زندگی

زندگی میں دامن خالی رہا

موت کے بعد پیسے نچھاور ہونے لگے

★ اشرف شاد

بلدیہ کے دفتر کے سامنے جمیل چادر اوڑھے پڑا تھا۔ نجانے ہفتہ کے روز بہت سے لوگ اس کے اردگرد کیوں جمع تھے۔ اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ غریب کی حالتِ زار کے تذکرے ہو رہے تھے۔ ان میں سے کچھ جمیل پر پیسے نچھاور کر رہے تھے۔ اور جمیل ان تمام حالات سے بے خبر چپ سادھے لیٹا ہوا تھا۔ اس پر پیسوں کی جھنکار لوگوں کی ہمدردی اپنی بے بسی اور کس مپرسی کا کوئی اثر نہیں تھا۔

اس روز جمیل نے مجھے دیکھ کر یہ بھی نہیں کہا "بھائی روٹی رکھ دو۔ پہلے ہاتھ دھو لوں" وہ معاشرے سے ایک عرصے سے ناراض تھا۔ اس نے تو اپنے بال بچے بھی چھوڑ دیئے تھے ہمیشہ کے لئے۔ اس کا کہنا تھا کہ جو شوہر اپنی بیوی کو پیٹ بھرنے کے لئے روٹی نہ دے سکے۔ وہ کس منہ سے گھر میں داخل ہو سکتا ہے۔ جو باپ اپنے بچوں کی ضروریات پوری نہ کر سکے۔ وہ لاڈ پیار کے سہارے انہیں زندہ نہیں رکھ سکتا۔ شہر میں اکیلا میں ہی اس کا دوست رہ گیا تھا۔ مجھے اس کی دوستی پر فخر تھا۔ اور وہ بھی مجھے دیکھ کر مطمئن سا نظر آنے لگتا تھا۔ لیکن ہفتہ کے روز اس کی خاموشی لوگوں کے ہجوم اور پیسوں کی بارش نے مجھے پریشان کر دیا۔

لوگ چھٹ گئے تو میں نے جمیل سے دبی آواز میں کہا بھائی ناراض ہو! وہ یہ سن کر بھی چپ رہا۔ میں نے سوچا کہ سو گیا ہوگا۔ چادر اٹھا کر دیکھا تو اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں جسم ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے گہری نیند سو چکا تھا۔ اور بلدیہ کے سامنے لوگ اس پر پیسوں کی بارش اس لئے کر رہے تھے کہ لاوارث لاش کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہو سکے۔

جمیل میرا پانچ سال پرانا دوست تھا۔ اسے عروس البلاد کراچی میں آئے چند روز ہوئے تھے کہ ایک فٹ پاتھ پر ملاقات ہوگئی۔ وہ زور زور سے کھانس رہا تھا اور اس کے تھوک میں خون شامل تھا۔ اسے دیکھ کر پیادہ شہری فٹ پاتھ کے اتنے حصے کو چھوڑ کر گزر رہے تھے۔ بعض صاحبوں کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ وہ جمیل کو دیکھتے ہی نظریں نیچی کر لیتے اور بڑبڑاتے ہوئے نکل جاتے۔ ایک نے تو جملہ کسا اچھوتوں کو لوگ فٹ پاتھ پر چھوڑ جاتے تھے۔

پہلے روز میں اس کے پاس گیا تو اس نے حیر
بھری نگاہوں سے دیکھا۔ کہنے لگا۔ بھائی، میرے پاس
چلے جاؤ۔ میں بیمار ہوں۔ میں بیمار ہوں! وہ یہ کہہ کر
سے زمین پر پڑا۔ اور آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔

میں کچھ دیر تک اس کی کس مپرسی اور بے بسی
ماتم کرتا رہا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور پوچھ بیٹھا۔ بھائی ڈاک
کے پاس لے چلوں۔ اٹھو، ہسپتال میں علاج ہو جائے گ

الفتح کے لئے فون
۴۱۴۰۲۸
پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے
فی الحال دفتر میں چونکہ فون نہیں ہے
اس لئے ایلائٹ سٹوڈیو کے
اس فون پر دفتری امور کے سلسلے میں
پیغام دیا جا سکتا ہے

"اس پر وہ برافروختہ ہوگیا۔ زور زور سے کہنے لگا، "کون سے ہسپتال کی بات کر رہے ہو۔ سرکاری ہسپتالوں پر لعنت۔ داخلہ مل جاتا تو یہ حالت نہ ہوتی۔ لاہور سے آیا ہوں لاہور سے۔ بڑا ہسپتال میو کا ہے۔ بہت بڑا ہے۔ افسوس کہ تین سال تک ٹرخاتے رہے۔ کام کاج سے محتاج ہوگیا اور چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی تو جنرل ہسپتال بھیج دیا۔ مت پوچھو وہاں کیا گزری۔

جمیل نے ذرا سی دیر رک کر کہا۔ جنرل ہسپتال شہر سے بہت دور ہے۔ کوٹ لکھپت میں۔ پہلے شہر کے لاعلاج مریضوں کو وہاں پھینک دیا جاتا تھا۔ میں نے وہاں بڑی ٹھوکریں کھائیں۔ مہینوں ہسپتال میں پڑا رہا۔ مرض بڑھتا رہا۔ اسکول کی نوکری ختم ہوگئی۔ گھر میں فاقوں کا دور دورہ تھا۔ بچے اسکول سے اٹھ گئے۔ بیوی بیمار پڑ گئی۔ جب ایک روز ہسپتال سے گھر جا رہا تھا۔ تو میں نے دیکھا کہ ایک لنگڑے فقیر کی گاڑی کو میرا بڑا بیٹا چلا رہا تھا۔ پلازہ سینما کے پاس لنگڑے فقیر کی گاڑی رکی اور میرے بیٹے نے راہگیروں سے بھیک مانگنا شروع کر دی۔

جمیل یہ کہتے ہوئے آبدیدہ ہوگیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ بھائی یہ دیکھنے کے بعد میں گھر نہیں گیا میری بیوی اور بچوں نے گزارہ کرنے کے لئے راستہ متعین کر لیا تھا۔ میں انہیں منع کرنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھا ٹیچری کو دو سال تو ہوئے تھے۔ سرکار کے ذمے بھی کچھ نہیں نکلتا تھا کہ وہ لے کر بچوں کو دے دیتا۔ واپس ہسپتال پہنچا تو پتہ چلا کہ میو ہسپتال سے بڑا ڈاکٹر آیا تھا وہ ڈسچارج کر گیا ہے چنانچہ رات میں نے سامنے والے ہوٹل میں گزاری، لاہور میں جب جمیل تھک ہار گیا تو اس نے کراچی آنے کا پروگرام بنایا۔ وہ نجانے کس طرح کراچی پہنچا اور کیا کیا مصیبتیں جھیلیں، لیکن اسے کراچی کے ہسپتالوں میں بھی جگہ نہ مل سکی۔

اس کے بعد جمیل سے میری ملاقات روزانہ کا معمول بن گئیں۔ اس نے تمام کوششوں کے باوجود میرے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا۔ اسے کراچی کے فٹ پاتھ پسند آگئے تھے۔ جب میں اسے ساتھ لے جانے کی بات کرتا تو وہ کہتا کہ کراچی کے فٹ پاتھوں پر میں اکیلا نہیں سوتا۔ ہزاروں بے گھر افراد انہیں سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ ایک آدمی کو گھر لے جانے سے بابو، فٹ پاتھوں کی رونق ختم نہیں ہو گی۔ جب تک لمبی کاروں، ایئرکنڈیشنڈ محلات، نائٹ کلب اور شراب خانوں کے باسی ہیں۔ فٹ پاتھوں پر گزارہ کرنے والوں کو یہی عالم رہے گا۔

جمیل مر چکا ہے۔ اس نے سچ کہا تھا کہ کراچی کے فٹ پاتھ آباد رہیں گے۔ وہ آج بھی آباد ہیں۔ اور ان کو سینے سے لگانے والوں کی کمی نہیں۔

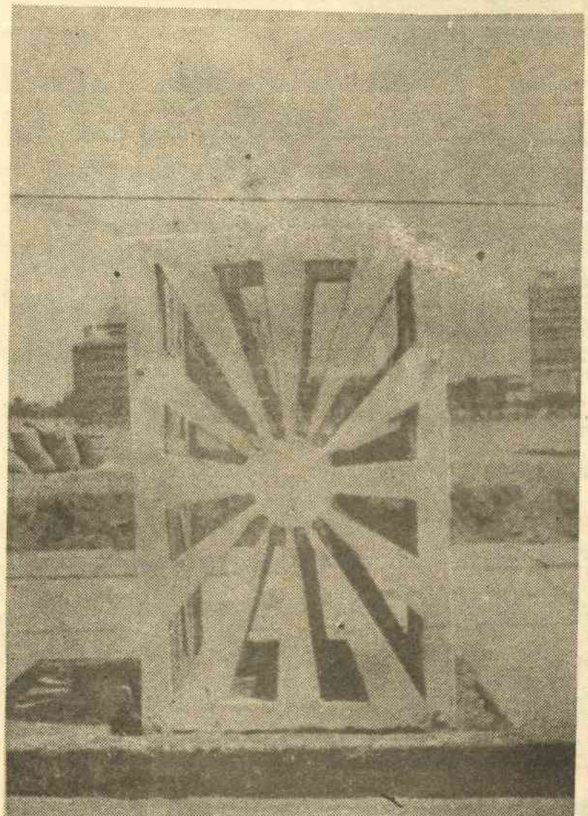

ایوان صدر کے قریب

۷۰ برطانوی جھنڈے

ایوان صدر سے کچہری روڈ تک جانے والی سڑک کے قریب پودوں کے لئے جو جنگلے تعمیر کئے گئے ہیں وہ خبر نہیں کس کے ذہن کے اعجاز ہیں؛ محض اتفاق ہے یا سوچی سمجھی اسکیم کہ ان جنگلوں کی جالیوں سے وہ برطانوی جھنڈا تشکیل پاتا ہے جو دور غلامی کے ڈیڑھ سو برس تک ہمارے وطن پر لہرا کر ہماری آزادی کو کچلتا رہا۔ فوارے والے چوک سے لیکر لو لو گراؤنڈ تک ۷۰ کے قریب یونین جیک ہماری آزادی کا منہ چڑاتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے ایوان صدر کی دیوار کے ساتھ ساتھ لہرا رہے ہیں

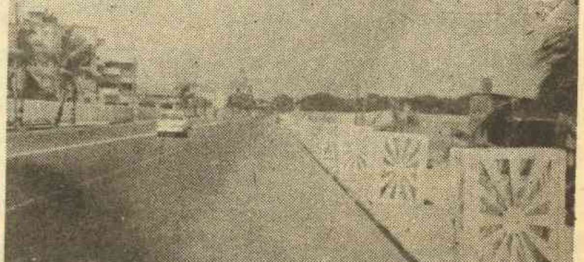

سیرِ وطن

اب ہمیں پل کی کوئی ضرورت نہیں رہی

سید وجاہت علی

ـــ اس مزار کے ایک طرف چھوٹی سی کٹیا تھی، اس کٹیا کے باہر مٹی کے ایک چبوترے پر پانی کے دو مٹکے دھرے ہوئے تھے۔ اس چبوترے سے تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹے قد کی کالی بکری اچھل کود رہی تھی۔ اس مزار کی گھاس پھوس کی چھت پر مختلف رنگوں کے بہت سے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ آدھ پون گھنٹے بعد وہ چاروں آدمی مزار سے باہر آگئے، اور بس تیزی کے ساتھ ایک مرتبہ پھر لسبیلہ کی طرف دوڑنے لگی؟۔

بس بھاگتی جاتی تھی اور گل محمد کہتا جاتا تھا؛

آدھ پون گھنٹے بعد وہ چاروں آدمی مزار سے باہر آگئے۔ اور بس تیزی کے ساتھ ایک مرتبہ پھر لسبیلہ کی طرف دوڑنے لگی۔!

بس بھاگتی جاتی تھی اور گل محمد کہتا جاتا تھا!

" بابو صاحب، آپ کے لئے اس پیر کا مزار ایک معمولی سی بات ہے، لیکن ہم بلوچ ان پیروں مریدوں پر بڑا ہی اعتقاد رکھتے ہیں اور خاص کر گذرے ہوئے پیر تو ہمارے لئے ایک روشنی ہیں۔ ہم بھی اور ہمارے بچے بھی ان ہی قبروں سے سبق سیکھتے ہیں۔ بابو۔ بلوچستان میں اسکول کہاں سوائے ایک دو کے ۔ بس یہ قبریں ہی ہمارے اسکول ہیں!"

گل محمد اب کچھ کچھ جذباتی سا ہو چکا تھا۔ اور نہ جانے کیا کچھ اور کہتا کہ اچانک سڑک ختم ہو گئی اور آگے پانی تھا۔ پھر سڑک پانی میں ڈوب گئی تھی!

میں نے گھبراتے ہوئے گل محمد سے کہا، "گل سڑک تو پانی میں ڈوب گئی ہے۔"

گل محمد نے پانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بابو! اس جیسی تو اور بہت سی جگہیں آئیں گی خوف نہ کھاؤ"۔

میں نے گل سے کہا "اب تک یہاں پل کیوں نہیں بنا! گل محمد نے مجھے عجیب نظروں سے گھورتے ہوئے کہا! بابو صاحب "پل" کا نام لے کر آپ نے ہم کو گالی دے دیا ہے۔ پل! پل کا بات سنتے سنتے اب ہمارا سارا جسم پک گیا ہے! بادشاہ آئے چلے گئے مگر یہ پل آج تک نہیں بنا ہے۔ یہ پل کیسے بنے گا؟ مجھے تو اس کی اب کوئی آس نہیں مگر اب ہمیں پل کا کوئی

ہفت روزہ الفتح کراچی

ضرورت نہیں لااب یہاں عارضی طور پر ایک پُل بنا دیا گیا ہے مدیں میں نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے دریافت کیا" کیوں!

"بابو صاحب ہم ٹھیک بولتا ہے اب ہمیں پُل کا کوئی ضرورت نہیں!"

اب تو ہم اس پانی میں اترتے اترتے خود پانی بن گئے ہیں!

ہاں! بابو اب ہم پانی بن گئے ہیں۔

جس ندی میں اتر گئی تھی اور پھر نکل بھی گئی۔ اور اس وقت ہر ندی کے کنارے پر کھڑی تھی اور میں بس کے انجن کے ساتھ لگا کھڑا یہ سوچ رہا تھا! کہ واقعی ان بلوچوں کی زندگی حب ندی میں پڑے ہوئے ان کنکروں اور پتھروں کی مانند ہے کہ جن پر سے یہ گدلا اور کثیف پانی لحظہ بہ لحظہ، لمحہ بہ لمحہ گذرتے چلا جاتا ہے۔ مسافر روزہ افطار کرنے کے لئے کچھ سوکھی چیزیں خرید رہے تھے! اور میں حب ندی کے اطراف پر نظر ڈال رہا تھا! میرے سامنے ویرانیاں پھیلی ہوئی تھیں میں ان ویرانیوں کو دیکھ دیکھ کے اپنے ذہن سے کیسی کیسی باتیں کر رہا تھا کہ یکایک ایک نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "بابو صاحب خدا کے نام پر ایک پیسہ"!

"خدا کے نام پر ایک پیسہ" اس بھکارن کی اس صدا نے میرے جسم میں ایک سوزش سی پیدا کر دی۔ اور میں سوچنے لگا! ایک تازہ مری ہوئی مرغی ۸ روپے میں بک جاتی ہے مگر کائنات کے خالق اور ہر وقت زندہ رہنے والے خدا کی قیمت صرف ایک پیسہ؟

اور میں ایک مرتبہ اپنے ذہن سے کہنے لگا، کہ ثنا خوان تقدیس اسلام کو بلا کر اس بھکارن کے اس کالے پھیلے ہاتھ اور صدا کو سنوایا جائے۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے عبرت پکڑیں۔

اس بھکارن کا ہاتھ ابھی تک اسی انداز میں پھیلا ہوا تھا میں نے اس کے ہاتھوں پر دو روپے کی چمکتی ہوئی پاکستانی چونیاں رکھتے ہوئے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں رہتی ہو!

اس بھکارن نے ان دو چمکتی ہوئی چونیوں کو جب اپنی ہتھیلی پر چپکا دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اچانک ہاتھ آ جانے والی مایا کی خوشیوں کی چمک پھوٹ پڑی! اس نے ان کو اپنی قمیض کے کونے کی ایک جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"بابو میں چند سال پہلے ایک عیسائی عورت تھی! میں اور میرے سب کے سب ہر روز گرجا جاتے تھے۔ مگر اچانک ایک دن میرے دل میں ایمان کی روشنی پھوٹ پڑی! اور میں اپنے سارے خاندان سمیت مسلمان ہو گئی۔ مسلمان ہونے سے پہلے میں ایک خاکروب تھی! اچھے پیسے مل جاتے تھے! مگر مسلمان ہونے کے بعد مسجد کے مولوی نے کہا" کہ اسلام میں خاکروب کا پیشہ کچھ اچھا نہیں! مجھے بھی یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ لوگ مجھے چوڑی یا بھنگن کہہ کر پکاریں! مسجد کا مولوی بھی جس نے مجھے مسلمان کیا ہے کہتا تھا" اچھا اچھی! اسلام کے ساتھ بھنگن کا نام اللہ توبہ!

بلوچستان کی ویرانیاں میری نگاہوں میں اُتر رہی تھیں

بابو! اب میں بھکارن ہوں! آپ خود ہی سوچو کہ ان پہاڑوں میں کام کدھر یہاں تو بس پتھر ہیں۔ جانور ہیں اور انسان ہیں! کبھی کبھی یہ بسیں آپ جیسے مسافروں کو لے کر ادھر آ جاتی ہیں! بس ہماری آس پوری ہو جاتی ہے! بابو اللہ تمہیں اور پیسہ دے۔

مجھے اس بھکارن کی زندگی پر واقعی افسوس ہونے لگا کہ وہ عیسائی بھنگن سے اسلام کی بھکارن بن گئی ہے۔

دنیا کے لئے ہو یا نہ ہو البتہ میرے لئے یہ عبرت پکڑنے والی بات تھی اور میں عبرت پکڑ ہی رہا تھا کہ گل محمد نے میرا کندھا ہلایا وہ بھکارن ابھی کھڑی ہوئی تھی گل محمد کی اس حرکت نے میری سوچوں کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں گل سے پوچھا کیا بات ہے بابو جی! آپ ادھر کھڑا کیا رہا ہے! میں نے کہا "اس بھکارن سے باتیں کر رہا تھا! گل محمد نے قہر آلود نظروں سے اس بھکارن کو تکا اور کہنے لگا "اس نے آپ سے کچھ رقم یقیناً لے لی ہوگی میں نے کہا! ہاں! بیچاری غریب عورت ہے! اور پھر عیسائی سے مسلمان بھی ہوئی۔ اس کی مدد ہم سب کا فرض ہے۔

گل محمد نے اس بھکارن کو جھڑکتے ہوئے مجھ سے کہا "بابو صاحب اس کے مسلمان ہونے پر ہم سب کو شک ہے یہ مسلمان تو ہوئی ہے۔ اس نے کلمہ بھی پڑھا ہے! مگر ہم کو اعتبار نہیں آتا! اس بھکارن نے گل محمد کی چادر کھینچتے ہوئے کہا" تو بڑا مسلمان ہے ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھتا۔! اور میرا بیٹا تو اس وقت بھی سامنے کی مسجد میں مولوی کے پاس بیٹھا نماز پڑھ رہا ہوگا۔ اور پھر وہ بھکارن غصے میں بپھری چلی گئی۔ اور گل محمد کہنے لگا۔ بابو اسے میں نے چھیڑا تھا! ابھی ذرا مذاق کیا تھا! بہت اچھی عورت ہے۔ اور پاگل بھی ہے۔ میلا اٹھانے کا کام کرتی تھی مگر یہ پاگل ہے اس سے کوئی پوچھے کہ بلوچوں کے پاس اتنا سرمایہ کہاں کہ وہ اپنا میلا اس سے اٹھوائیں۔ وہ تو اپنا میلا خود ہی اٹھاتے ہیں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں لوگ روزہ افطار کرنے چلے گئے، مجھے پیاس لگ رہی تھی اور گل محمد بھی کچھ کچھ خاموش سا تھا! میں نے سکوت کو توڑتے گل سے کہا" گل مجھے پیاس لگ رہی ہے۔

گل نے ایک بند ہوٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" بابو! اس میں پانی کی ٹنکی ہے جاؤ ٹونٹی کھولو اور ہاتھ کی مدد سے پانی پی لو گل کا یہ اشارہ پاکر میں دوڑتا ہوا پانی کی ٹنکی کے پاس گیا! میں نے اس ٹنکی کی ٹونٹی کو کھولا! تو گدلا گدلا پانی نیچے کی طرف بہنے لگا، اس پانی کو دیکھ کر میری ہمت نہیں پڑی کہ میں اسے ہاتھوں میں لے کر پی لوں! میں گل محمد کے پاس واپس چلا آیا! اور کہا" گل یہ پانی تو گندہ ہے۔ اس میں تو مٹی ہے"۔

(جاری ہے)

نامہ مہران

یومِ شوکتِ اسلام

یوم یزید

یومِ مودودی

حیدرآباد میں ''مودودی ڈے'' پر دو لاکھ روپے خرچ کئے گئے

★ منیر الامام نمائندہ الفتح حیدرآباد ★

حیدرآباد میں مودودی جماعت کو یوم شوکت اسلام کے موقع پر منہ کی کھانا پڑی بارہ ربیع الاول سے مودودی جماعت کی لاتعلقی نے مسلمانوں کے ذہن کو صاف کردیا تھا کہ اکتیس مئی کو یوم شوکت اسلام منانا ایک سیاسی جماعت کی طرف سے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا ہے اس کے لئے وہ اسلام کا مقدس نام استعمال کرنا چاہتی ہے دوسری طرف مودودی جماعت پر بھی یہ واضح ہوگیا تھا کہ اب زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے نہیں کھیل سکتی اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے ہر قسم کے حربے استعمال کئے ملاحظہ فرمایئے۔

مودودی جماعت نے حیدرآباد میں مختلف تنظیموں کی جانب سے کئی رنگ برنگے پوسٹرز دیواروں پر چسپاں کئے ان دیدہ زیب خوبصورت اور فقید المثال پوسٹروں میں جب متعلقہ تنظیموں کے نام سامنے آئے تو تنظیم علم و عمل کے علاوہ دوسری کئی ایک تنظیموں نے باقاعدہ اس یوم کا بائیکاٹ کیا۔

تنظیموں کے بائیکاٹ اور لاتعلقی کے اعلانات سے مودودی جماعت کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی صورتحال پر قابو پانے کے لئے جماعت کے کارکنوں نے پرانا نسخہ استعمال کیا اور دیواروں پر اس قسم کے نعرے لکھے "آپ اپنے آپ کو سچا مسلمان ظاہر کرنے کے لئے یومِ شوکت اسلام کو کامیاب کرائیں"۔

اس پر شہر میں زبردست ردِعمل ہوا لوگ تلملا اٹھے لوگوں نے سیاہی اور برش سنبھال لئے اور ایسے مقامات پر جہاں مذکورہ نعرے لکھے ہوئے تھے یہ لکھ دیا ۳۱ مئی یوم یزید، یوم فرعون اور یوم مودودی۔

جماعت کو پھر پینترہ بدلنا پڑا چنانچہ یوم شوکت اسلام سے ایک دن قبل شہر کے مختلف حصوں میں عید میلادالنبیؐ کی تقریبات منعقد کیں لوگ بھی پہچان گئے کہ سیاسی مداری نیا جال پھیلا رہے ہیں جبکہ ان کا پیشوا اپنی تحریروں میں عید میلادالنبیؐ کے سلسلے میں واضح طور پر مسلمانوں کے جذبات مجروح کرچکا ہے اور اس تقریب سعید کو ہولی دسہرے جیسے تہواروں سے تشبیہ دی گئی ہے جو لوگ جماعتِ اسلامی کی عید میلادالنبیؐ کی تقریبات میں گئے ان پر آشکارہ ہوا کہ عید میلادالنبیؐ کی آڑ میں یوم شوکت اسلام کے پروپیگنڈے کا انتظام کیا گیا تھا۔

حیدرآباد کے شہریوں نے جماعت اسلامی کے کردار کو بے نقاب کرنے کے لئے ملتان کے مکتبہ حسین آگاہی میں جماعت اسلامی اور اس کی بغلی تنظیم اسلامی جمعیت علماء کے ہاتھوں نذرِ آتش کئے گئے قرآن پاک کے اوراق کے عکس پورے شہر کی دیواروں پر چسپاں کردیئے اس پر مودودی جماعت کا انٹیلیجنس بیورو حرکت میں آگیا اور اس نے راتوں رات ان مقدس اوراق کے عکس دیواروں پر سے پھاڑ ڈالے۔

حیدرآباد میں پندرہ دن تک یومِ شوکت اسلام کی زبردست تیاریوں اور نشر و اشاعت کے تمام وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے بعد جس غبارے کو تیار کیا تھا اس کی اکتیس مئی کو بالکل ہوا نکل گئی جلوس میں اسکولوں کے بچوں کی اکثریت شامل تھی انہیں شیرینی کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملایا گیا تھا جن اسکولوں میں اتوار کی چھٹی نہیں تھی وہاں کے اساتذہ نے مودودی جماعت کا حقِ نمک ادا کیا اور بچوں کو اپنی نگرانی میں ساتھ لائے۔

پوسٹروں پر اپیل کنندگان کی حیثیت سے جن سیاسی رہنماؤں کے اسمائے گرامی لوگوں نے

بیج نہ لگوانے والوں کو کافر قرار دے دیا گیا

پڑھے تھے ان کی نوے فیصد تعداد جلوس میں شریک نہیں تھی

حیدر آباد میں یوم شوکتِ اسلام کی تقریبات پر ایک محتاط اندازے کے مطابق کم و بیش دو لاکھ روپے خرچ ہوئے اندازہ لگایئے جلوس میں تقریباً سو اونٹ گاڑیاں تھیں ایک گاڑی اسّی روپے سے سو روپے تک روزانہ کرایہ پر ملتی ہے ان گاڑیوں کو جو بڑے اہتمام سے سجایا گیا تھا دس بارہ ٹرک بھی تھے جو چار سو سے لے کر پانچ سو روپے تک یومیہ کرائے پر حاصل کئے ہونگے ہر اونٹ گاڑی اور ٹرک پر مائیکروفون اور لاؤڈ اسپیکروں کا بھی معقول بندوبست تھا بیسیوں پُرشکوہ دروازے بھی تعمیر کئے گئے تھے ان کی آرائش اور سجاوٹ پر ایک ہزار روپے فی دروازے کے حساب سے کم از کم خرچ آیا ہوگا اس کے علاوہ قدم قدم پر سبیلوں کے نام پر جو ریسٹ ہاؤس بنائے گئے تھے ان کے شامیانوں قناتوں اور ٹھنڈے پانی کے لئے پیسہ بھی پانی کی طرح بہایا گیا۔ نفیس اور قیمتی کپڑے کے جھنڈے جلوس کی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ میں اضافہ کر رہے تھے۔

جلوس میں زبردستی یوم شوکت اسلام کے بیج لگانے کی کوششیں کی گئیں جو شخص انہیں لگوانے سے انکار کرتا۔ ان سے فوراً سوال کیا جاتا

"کیا تم مسلمان نہیں ہو۔"

اس طرح جن سینکڑوں مسلمانوں نے بیج لگوانے سے انکار کر دیا تھا ملاؤں نے سڑک پر کھڑے کھڑے ہی ان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔

یوم شوکت اسلام کے موقع پر مودودی جماعت نے شہریوں سے کاروبار بند کرنے کی اپیل کی تھی اس محاذ پر بھی جماعت کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا پورے شہر میں صرف سترہ دوکانیں بند تھیں اور وہ اسلام پسندوں کی پندرہ روزہ محنت کا منہ چڑا رہی تھیں۔

ٹنڈو محمد خاں میں سیاسی پہلوانوں کا دنگل ہوگا

حیدر آباد سے پہنچنے والی اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ ٹنڈو سب ڈویژن کے دو حلقوں میں آئندہ عام انتخابات کافی دلچسپ ہونگے۔ مذکورہ سب ڈویژن سے سندھ کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے مشہور و معروف رہنماؤں کے درمیان رسہ کشی ہوگی اور ان میں سے تمام میدانِ سیاست کے طاقتور پہلوان ہیں۔ اب تک جو نام سامنے آئے ہیں، ان میں میر رسول بخش تالپور، میر اعجاز علی تالپور، قاضی محمد اکبر، نواب مظفر حسین، نواب اشرف میر علی احمد تالپور، نبی بخش بھرگڑی اور سید عالی شاہ شامل ہیں۔

ہم معذرت چاہتے ہیں

"الفتح" نے مختصر سے عرصے میں قارئین کے وسیع حلقے میں جس طرح مقبولیت حاصل کی ہے، ہم اس کے لئے قارئین اور ایجنٹ حضرات کے انتہائی شکر گزار ہیں لیکن اس کے ساتھ ہمیں افسوس بھی ہے کہ ہم اپنے محدود وسائل کے باعث تمام قارئین اور سب ایجنٹ حضرات کی بڑھتی ہوئی مانگ پوری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارے پاس کسی بڑے صنعتکار کے عطیات ہیں، نہ ہم نے کسی جماعت کے کارکنوں یا ہمدردوں سے زبردستی چندہ لیا ہے اور نہ ہمیں کہیں سے سود پر قرضہ ملا ہے، جس سے ہم چار چار رنگوں کی طباعت، غیر معمولی ضخامت اور بھاری بھاری تنخواہوں کے متحمل ہو سکیں، مقبوضہ اخبارات کی عوام دشمن پالیسیوں کو مدنظر رکھتے ہوتے اور عوامی خبروں کا بائیکاٹ دیکھتے ہوتے ہم "الفتح" کا چراغ لے کر ہوا کے سامنے آ گئے ہیں۔ ہمیں بے انتہا مسرت ہے کہ قارئین نے بڑی محبت سے ہمارا خیر مقدم کیا ہے۔ ہم اسی محبت اور خلوص کے سہارے آگے بڑھ رہے ہیں، ہم ان قارئین اور ایجنٹ حضرات سے معذرت چاہتے ہیں۔ جن تک "الفتح" ان کی مطلوبہ تعداد کے مطابق نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم الفاظ کی آبرو اور قلم کی حرمت کی قسم کھاتے ہوتے یہ عہد کرتے ہیں کہ جیسے جیسے ہمارے وسائل میں وسعت آتی گئی۔ ہم زیادہ سے زیادہ قارئین "الفتح" تک پہنچا سکیں گے، موجودہ حالات میں آپ اسے خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لئے دیں

—— ادارہ

مقبوضہ کشمیر میں ظلم وستم کی نئی لہر

سرحد پار سے آنے والی تازہ ترین اطلاعات مظہر ہیں کہ بھارت کی رجعت پسند جماعت جن سنگھ کے غنڈے منظم طور پر مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا رہے ہیں اور لوٹ کھسوٹ، قتل وغارت اور انسانیت سوز مظاہروں کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ پورا مقبوضہ کشمیر آگ کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ اننت ناگ اور مہور پور میں گزشتہ پانچ روز سے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں ایک بار پھر دہشت گردی اور غنڈہ گردی نے کشمیر کے مسلمانوں میں خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی ہے وہ ۲ ہزار دو سو اڑسٹھ مکانات اور دکانوں کے ملبے اور دس ہزار افراد کو بے گھر دیکھ کر بھارت کی توسیع پسند حکومت کا ماتم کر رہے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں نہتے مسلمانوں پر بھارتی درندوں کے ظلم وستم کی داستان کا سلسلہ طویل ہوتا جارہا ہے۔

بھارتی توسیع پسندوں کے مظالم کی آواز اقوام متحدہ کے ایوانوں میں کئی بار گونج چکی ہے۔ قراردادیں بھی منظور ہوئیں کہ مظلوم کشمیریوں کو حق خودارادیت دیا جائے ان قراردادوں پر اب تک کوئی عمل نہیں ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا مقصد صرف اور صرف امریکی سامراج اور سوشل سامراج کے مفادات کا تحفظ کرنا ہے وہ سامراج کو پروان چڑھانے کے لئے قائم ہوئی ہے اس لئے سامراج کا نشانہ بننے والوں کو یہاں سے دلاسے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

مقبوضہ کشمیر کی موجودہ صورت حال ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ جن سنگھ کو غلام حکومت کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ کشمیریوں کی آنکھیں پاکستان کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ پاکستان کے عوام جان ودل سے آزادی کشمیر کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہیں اور کشمیریوں کو بھارتی درندوں کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے سالوں جنگ لڑنے کے عزم کا متعدد بار اظہار کر چکے ہیں۔

کشمیری مظلوم عوام بھی یہ جان چکے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے ذریعہ حل نہیں ہوگا بلکہ ظالم کا منہ توڑنے کے لئے انہیں مسلح جدوجہد کرنا پڑے گی —— پاکستانی اس عمل میں بھی اپنے کشمیری مظلوم بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔

پولی ٹیکنک طلبا کی ہڑتال

پولی ٹیکنک کے اداروں میں پڑھنے والے طلبا کی ہڑتال اب نازک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ لاہور میں مبینہ طور پر بعض طلبہ کی مارشل لا کے تحت گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں۔ یہ صورت حال تعلیم و تعلم سے دلچسپی رکھنے والوں، باشعور شہریوں اور ملک کے نچلے طبقے کے مزدوروں اور متوسط سطح پر گزر اوقات کرنیوالوں کے لئے خاصی تشویشناک اور پریشان کن ہے۔

ہمارے نزدیک گرفتاریوں سے مسائل کبھی نہیں سلجھے۔ ایسے اقدامات سے ہمیشہ الجھاؤ پیدا ہوا ہے۔ شک وشبہات کو تقویت پہنچی ہے اور امن امان درہم برہم ہوا۔ مزدور ہوں یا طلبہ، ہڑتال جیسا انتہائی اقدام مجبوری کی حالت میں کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب اختیار معاملے کو الجھانے، پیچیدگیاں پیدا کرنے اور کسی مسئلے کو عزت ووقار کا سوال بنانے کی بجائے ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

پولی ٹیکنیک کے طلبا کے مطالبات جائز اور حل طلب ہیں۔ طلبا نے اپنے طور پر بھرپور کوشش کی ہے وہ متعلقہ ارباب بست وکشاد سے پرامن طور پر معاملہ طے کر لیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ابھی افسروں کے ذہنوں سے نوکر شاہی اور انگریز آقاؤں کے دور کے نقوش نہیں مٹ سکے ہیں۔ ان کے نزدیک مطالبہ کرنا، سوال اٹھانا، آواز بلند کرنا، تکلیف بیان کرنا، درخواست اور گزارش کرنا توہین ہے۔ اس سے افسروں کی ہتک عزت کا پہلو نکلتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ صبر وشکر سے کام لیا جائے۔ افسر جو کچھ کریں اس پر صاد کر دیا جائے۔

ہم پولی ٹیکنک کے اداروں کے طلبا کے ہمنوا ہیں اور ان کی اس جدوجہد کو جائز اور منصفانہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا مطالبہ کرتے ہیں کہ گرفتار ہونے والے طلبا کو فوراً رہا کیا جائے۔ پولی ٹیکنیک کے طلبا کے مطالبات من وعن تسلیم کئے جائیں۔ ڈپلوما ہولڈروں کو روزگار کی ضمانت دی جائے۔ بی ٹیک کلاسیں کھولی جائیں اور ڈپلوما ہولڈروں کی جگہ انجینئروں کی براہ راست بھرتی کا سلسلہ بند کیا جائے۔

طلبا اور سرمایہ داروں کی محتاجی

انجمن طلبار جامعہ کراچی نے یونیورسٹی کے طلبار کو بسوں کی قلت کی وجہ سے آمد ورفت میں پیدا ہونیوالی مشکلات کو دور کرنے کے لئے ہفتہ ٹرانسپورٹ منایا کراچی کے شہری ٹرانسپورٹ کی سہولتوں سے جس طرح محروم ہیں وہ قابل رحم اور توجہ طلب بھی ہے اس ضمن میں ملیر اور لانڈھی کورنگی کے رہنے والوں نے خصوصاً اور شہر کے دوسرے حصوں کے باشندوں میں بالعموم احتجاج کئے مضافات کے عوام نے بسوں کی قلت کے خلاف مظاہرے بسوں کا بائیکاٹ اور کئی بار بسوں پر پتھراؤ تک کیا۔ لیکن حالات جوں کے توں ہیں لوگ کھچا کھچ بھری ہوئی بسوں میں لٹک کر سفر کر رہے ہیں ان میں سے متعدد ہلاک ہو چکے ہیں لوگ ٹرانسپورٹ کی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے گوناگوں پریشانیوں کا سامنا کر رہے ہیں۔

یونیورسٹی اور اسکولوں کے طلبار معاشرے کا ایک حصہ ہیں عام شہریوں کی سہولتوں سے محرومی انہیں اثر انداز کئے بغیر نہیں رہ سکتی شاید اسی بنا پر یونیورسٹی کے طلبار کے لئے بسوں کے علیحدہ فلیٹ کا انتظام کیا

ہفت روزہ الفتح کراچی۔

گیا۔ پنجاب، پشاور اور سندھ میں ان ہی انتظامات کے تحت بسیں مہیا کی جا چکی ہیں جو طلبار کی تعداد کے لحاظ سے ناکافی ہیں کراچی یونیورسٹی کے طلبار ٹرانسپورٹ کے معاملے میں ان سہولتوں سے بھی محروم ہیں جو مغربی پاکستان کی دوسری یونیورسٹیوں کے طلبار کو میسر ہیں۔

کراچی یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین نے اس مسئلے کے حل کے لئے جو راہ نکالی ہے، ہمیں اس سے اتنا اختلاف ہے کہ یونیورسٹی کے طلبار، اجارہ دار سرمایہ داروں کے سامنے بھکاری بن کر جا رہے ہیں ہمارے سرمایہ دار کی ذہنیت خالصتاً نفع خور کی ہے وہ اپنا روپیہ اسی کاروبار میں لگاتا ہے جہاں ایک کے بدلے ایک ہزار گنا نفع ہو۔ مظلوم مزدوروں کا خون چوسنا قیمتوں میں اضافہ کرنا اور روپے کے بل بوتے پر انتشار پھیلانا ان کے کاروبار کے واضح خطوط ہیں۔ ان حالات میں اجارہ دار سرمایہ دار سے رجوع کرنا بسوں کے لئے خیرات مانگنا قوم کے معماروں کا ہاتھ پھیلانا اور پھر انہیں یہ یقین دلانا کہ یونیورسٹیوں میں منظاہرے۔ تخریب پسند ان ہی مشکلات کی آڑ میں کراتے ہیں آخر کیا ہے ان تمام باتوں میں سرمایہ دار کو اپنا نفع واضح طور پر نظر آ رہا ہے وہ اس صورت میں لاکھوں روپے کے عطیات دیں گے جن سے سینکڑوں بسیں خریدی جا سکیں گی اور اجارہ دار سرمایہ دار کو اس سے سیاسی فائدہ اور سیاسی کاروبار میں بے پایاں منافع حاصل ہوگا۔

ہم ہفتۂ ٹرانسپورٹ کے سلسلے میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے اس اقدام کو خالصتاً سیاسی تعصب کرنے پر مجبور ہیں ہر دور میں سرمایہ دار اور اس کے ایجنٹوں نے عوامی جد وجہد کے اداروں اور نوجوانوں کی تحریکوں کو زہر آلود کرنے کے لئے اسی قسم کے راستوں پر عمل کیا۔

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ یونیورسٹی کے طلبار کے لئے ہی نہیں بلکہ عام شہریوں کو بھی سفری سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اجارہ دار سرمایہ داروں پر ایک خاص مدت کے لئے ٹیکس عاید کرے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے بسیں فراہم کی جائیں اور طلبار کے ابھرتے ہوئے سیاسی سماجی اور معاشرتی شعور کو کچلنے کی کوششوں کا سدِ باب کرے۔

٭

مودودیئے طالبعلموں پر شیخ الجامعہ کی کرم فرمائیاں

میں اپنی زبان میں کراچی کی جامعہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ قریشی صاحب کی وائس چانسلری میں یہ جامعہ اپنے ایک تاریخی دور سے گذر رہی ہے مستقبل کا مورخ جب بھی جامعہ کی تاریخ مرتب کریگا۔ موصوف کے اس عہد زریں کو سنہری حروف سے لکھے گا — میں نے ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کو تجویز پیش کی تھی کہ اپنے سابقہ آقا کی طرح وہ بھی جشنِ اصلاحات منائیں لیکن وہ شرما کر جانے کیوں جامعہ کی ان دیواروں کی طرف اشارہ کرنے لگے جن پہ اب تک "وائس چانسلر استعفی دو" کے نعرے تحریر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ویسے آدمی بڑے دلچسپ ہیں۔ خصوصاً ان کی تلوّن مزاجی اور تضاد بیانی نے ان سے اچھی میں بڑے لطیفے سرزد کرائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ جامعہ کی تاریخ میں دوبارہ الیکشن چہ معنی دارد۔ اور خود حسین نقی کو نکالنے کے لئے جامعہ میں آپ ہی نے تین مرتبہ الیکشن کروائے اور پھر بھی جب فتح ان کی نہ ہوئی تو ان کو فرمان شاہی کے ذریعہ جامعہ سے نکال بھی دیا گیا۔ اس کے بعد جامعہ کے اندر انہوں نے ہر منصور کی پیدائش پر پابندی عائد کر دی البتہ ہر سال وہ ایک اسلام پسند صالح کو یونین کا صدر بنواتے ہیں اس کی قابلیت کا پروپیگنڈہ کرواتے ہیں، اور پھر خفیہ ہدایت کے ذریعہ یونین کے صدر کو جامعہ بھر میں اول بدرجہ اول پوزیشن بھی دیدی جاتی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔ سلطان احمد جاولہ صدر انجمن اتحاد طلبار جامعہ کراچی، مودودی کی باڈی گارڈ تنظیم کے بل پر الیکشن جیتے۔ ملک میں اس زمانے میں طلبار کی ہڑتال ہوئی۔ بہ ظاہر آپ بھی ساتھ تھے کچھ عوامی نعرے بھی لگاتے، پھر ڈاکٹر صاحب نے سمجھایا کہ میاں سرمایہ دار ہو۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ بات کچھ راز کی تھی۔ بند کمرے میں ہوئی نتیجتاً آپ تحریک سے روپوش ہو گئے، لوگوں نے لعنت ملامت کی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ہم تمہاری خدمات کا معاوضہ دیں گے۔ جامعہ کا نتیجہ نکلا۔ سلطان جاولہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئے اور اب آپ شعبۂ معاشیات جامعہ کراچی میں لکچرر ہیں۔ دوسرے نمبر پر سلیم جہانگیر صاحب ہیں۔ الیکشن کس طرح جیتے، یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے مودودی جماعت سے سخت اختلاف تھا مودودی صاحب کو وہ مغلظات سناتے تھے کہ گردن شرم سے جھک جائے۔ اس بغاوت کے جرم میں ان کو اس سال امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی گئی۔ وجہ! بہانہ تھا حاضری کی کمی کا۔ پھر کچھ انجکشن لگائے گئے۔ آپ کی سمجھ میں آ گیا۔ آج کل دوبارہ ایم اے میں داخلہ لے لیا ہے۔ نام نہاد کاغذی تنظیم "تحریک بیداری طلبار" کے روح رواں ہیں۔ تیسرے نمبر پر موصوف انوار کاظمی صاحب ہیں۔ آپ نے بھی روایتی طریقے سے الیکشن جیتا۔ آپ کچھ زیادہ سرگرم نہ تھے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب کے YES MAN تھے۔ صلہ میں ایم۔ اے ریاضی میں اول بدرجہ اول اور پھر جامعہ میں لکچررشپ۔

اب نمبر ہے نئے صاحبزادے اعجاز شفیع گیلانی کا۔ آپ نے بھی الیکشن جیتنے کی روایت پر سختی سے عمل کیا معاشیات میں اول بدرجہ اول آئے اور پھر صدر ہو گئے (TERM) مکمل ہونے پر لیکچرر ہو جائیں یا شاید امریکہ کے لئے اسکالر شپ مل جائے۔

یہ کرم فرمائیاں صرف عہدیداران پر ہی ختم نہیں ہیں چند اسلام پسند طالب علم بھی اس سے سرفراز ہوئے۔ مثلاً آنسہ سعدیہ صدیقی صاحبہ اور ساجدین صاحب۔ سعدیہ صدیقی ایک زمانے میں اپنے آپ کو ترقی پسند کہلواتی رہیں (اس کی مصلحت شاید ادب میں اپنے لئے نشست حاصل کرنے کی تھی)

جامعہ کے چھو منتر سے آپ بھی اچانک رجعت پسند بن گئیں۔ ساجدین صاحب میرے استاد محترم رہ چکے ہیں اس لئے ادب شرط ہے لیکن ایک مقامی کالج سے جامعہ تک کی منتقلی کا راز وہ خود ہی بہتر جانتے ہیں۔

(محبوب حسن کراچی)

ہفت روزہ الفتح کراچی

کراچی سے چاٹگام تک

کراچی کے عوام کا سوشلزم کے حق میں فیصلہ

کورنگی لانڈھی محنت کشوں کی بستی ہے۔ اس میں بسنے والوں کی اکثریت مزدور اور نچلے متوسط طبقے پر مشتمل ہے۔ اتوار کی شب کورنگی لانڈھی کے انہیں ڈھائی لاکھ محنت کشوں کے لئے ایک ریفرنڈم میں اپنے ہاتھ بلند کرکے یہ فیصلہ دیدیا ہے کہ عوام سرمایہ دارانہ نظام اور اسکے رکھوالے دین فروشوں کی تمام سازشوں سے اچھی طرح باخبر ہیں اور وہ اب انھیں ناکام بنا کر تاریخ کے اس دھارے کو تیز تر کرکے دکھائیں گے جو امن اور خوشحالی کی سمت بہ رہا ہے۔ یہ ریفرنڈم کورنگی کے سب سے بڑے میدان میں ہوا تھا اس میں کورنگی لانڈھی کے ڈھائی لاکھ باشندوں نے شرکت کی تھی اور وہ شام ۵ بجے سے رات کے بارہ بجے تک پورے سات گھنٹے تک بھوک و پیاس کی فکر سے بے نیاز اس چودہ فٹ اونچے اسٹیج کی جانب نگاہیں لگائے ہوئے تھے۔ وہاں پیپلز پارٹی کے سرخ بلینر لگے ہوئے تھے اور جس پر جناب ذوالفقار علی بھٹو، معراج محمد خاں مولانا کوثر نیازی، میر علی احمد تالپور، میجر جنرل اکبر خاں اور طارق عزیز بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے قبل جماعت اسلامی نے دو جلسے کئے تھے۔ ایک جلسہ عام جس میں چند سو کی نفری تھی اور ایک شوکتِ اسلام جس کے جلوس میں کورنگی لانڈھی کی انتہائی قلیل تعداد نے شرکت کی تھی اس کے بعد پیپلز پارٹی کا حالیہ اجتماع منعقد ہوا اور اس میں کورنگی لانڈھی کے ڈھائی لاکھ جیالے باشندے سات گھنٹوں تک شریک رہے۔

جلسہ عام سے پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ مولانا کوثر نیازی میجر جنرل اکبر خاں۔ معراج محمد خاں۔ میر علی احمد تالپور، طارق عزیز، این ڈی خاں۔ آغا علی رضوی اور خواجہ شریف نے خطاب کیا۔ عوام کی پرجوش تالیاں، ان کے فلک شگاف نعرے اور ان کے آنکھوں کی چمک اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ یہ سب کچھ اُن کے دل کی آواز ہے۔ اس موقع پر عوام کے نعرے انکے مکمل شعور کی ترجمانی کر رہے تھے۔ پریس کے ارکان کی جانب وہ بار بار دیکھ کر سرگوشیاں کرتے اور پھر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرا کر چپ ہوجاتے۔ بیشتر لوگوں نے مقبوضہ پریس کے خلاف جملے بھی کئے خصوصاً ایک نوزائیدہ پریس رپورٹر کو بڑا پریشان ہونا پڑا۔ انکے بارے میں شاید لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ان کا تعلق امریکی ڈالروں کی امداد سے نکلنے والے اس نوزائیدہ اخبار سے ہے جو کل کے جلسے کے لاکھوں شرکاء کی تعداد صرف دس ہزار شائع کرے گا۔ عوام نے پاک چین دوستی کا بھی بڑا بے مثل مظاہرہ کیا اور بار بار پاک چین دوستی زندہ باد کے پرجوش نعرے بلند کئے۔

ہفت روزہ الفتح کراچی

لاہور

مودودیوں نے نمازیں گول کردیں

* الطاف قریشی

فرقہ مودودیہ کی ۲۹ روزہ پراپیگنڈہ مہم کا "ثمر" ۳۱ مئی کو لاہور کے عوام نے دیکھ لیا۔ پچاس کے قریب کاروں ٹرکوں، بسوں، ٹریکٹروں اور سینکڑوں سکوٹروں اور سائیکلوں پر سوار ریشم کے جھنڈے پکڑے ہوئے، بچوں، نوعمروں اور بوڑھوں کا "کارواں" پانچ بجے بیرون موچی دروازہ سے شروع ہوا۔ ایک ٹرک پر فرقہ مودودیہ کے امیر مولانا مودودی، نووارد سیاست میجر جنرل سرفراز، ننگ ملت شورش کاشمیری اور دو ایک دوسرے "رہنمایانِ قوم" براجمان تھے۔ ان کے آگے پیچھے کاریں، سکوٹر، ٹرک اور ٹریکٹر چلے آرہے تھے، موچی دروازہ سے جب امریکی

۱۱-۱۸ جون ۱۹۷۰ء

سامراجیت نوازوں کا یہ قافلہ روانہ ہوا تو اس وقت سواروں اور پیدل چلنے والوں کی تعداد آٹھ نو ہزار تھی۔ راستے میں مختلف علاقوں سے آنے والے چھوٹے چھوٹے جلوس اس "کاروانِ بے مہار" میں شامل ہوتے چلے گئے اور جب یہ قافلہ شام ۶½ بجے رنگیل چوک میں پہنچا تو جلوس میں شامل افراد کی تعداد سترہ اٹھارہ ہزار ہوگی۔ (محتاط اندازے کے مطابق)

مزدوروں کسانوں اور محنت کشوں کے دشمن عناصر کا یہ کارواں قطعی طور پر غیر منظم تھا۔ جبکہ یہ بات غیر متوقع تھی۔ لاہور میں فرقۂ مودودیہ کی قوت کا اظہار کرنے کے لئے مختلف دیہات سے ٹرکوں اور بسوں پر "صالحین" درآمد کئے گئے تھے۔ چنانچہ چار بسیں میاں چنوں سے اور اتنی ہی بسیں ساہیوال اور اوکاڑہ سے صالحین کو لاہور لے کر آئیں۔ سہ پہر کو جب فرقۂ مودودیہ کے مرکز (اچھرہ) سے یہ کارواں روانہ ہوا تو اسمیں چار ٹرک اور دو جیپیں شامل تھیں جن پر سوار "صالحین" میں اکثریت چھوٹے چھوٹے بچوں کی تھی اور باقی چند افراد وہ تھے جو عمر کے اس حصے پر پہنچ چکے ہیں جہاں آدمی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے مولوی عبدالوحید خاں (صحافی کم جماعتی زیادہ) ہاتھوں میں موتیے کے چار ہار لئے ان ٹرکوں کے آگے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے۔ یہ کارواں تقریباً سوا چار بجے موچی دروازہ پہنچا جہاں اس وقت تک "صالحین" کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ ہوئی تھی۔ کارواں کی روانگی سے تھوڑی دیر پہلے مسٹر مودودی آئے اور یہ کارواں "منزل" کی طرف روانہ ہوا۔ مال روڈ پر پانچ بجے کے بعد لوگ مسٹر مودودی کو دیکھنے اور ان کے فرقہ کی قوت دیکھنے جمع ہو گئے پانچ بجے کے بعد مال روڈ پر حالت یہ تھی کہ انتظامیہ نے ٹریفک روک دی تھی اور فرقۂ مودودیہ کی بغل بچی ڈیموکریٹک یوتھ فورس کے "جوان" کرایہ کے سکوٹروں اور موٹر سائیکلوں پر سوار ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے ہائی کورٹ کی طرف سے آٹھ اونٹوں کا ایک دستہ رنگیل کی طرف آیا اور ہال روڈ کے موڑ پر کارواں کا استقبال کرنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد کارواں میں شامل بچوں کی ٹولیاں نعرے لگاتی گزرتی رہیں۔ ان کے نعرے تھے۔ "نعرۂ تکبیر" "نعرۂ رسالت" "پاکستان کا مطلب کیا" "نعرۂ رسالت پر فرقۂ مودودیہ کے صالحین جز بز ہوتے رہے لیکن مصلحت کی بنا پر کوشش کے باوجود یہ نعرے رکوا نہ سکے۔ ایک ایک فرلانگ کے فاصلے سے مرتب کی گئی یہ ٹولیاں گزر گئیں تو موٹر سائیکلوں، اونٹوں اور کاروں کی ٹولیاں آئیں اور گزر گئیں۔ آخر میں مسٹر مودودی کا ٹرک آیا جس کے ارد گرد آٹھ دس ہزار کے قریب "صالحین" تھے جب مسٹر مودودی کا ٹرک آیا تو نعروں کا سیلاب امڈ آیا جس کا جواب صالحین نے بڑے زور و شور سے دیا لیکن تماشائی خاموش رہے۔ "کاروانِ بے مہار" کے تمام راستے میں کھڑے ہوئے تماشائی یوں ہی خاموش رہے۔

اس کارواں کی دلچسپ بات یہ تھی کہ کارواں شروع کرنے سے قبل باغ بیرون موچی دروازہ میں عصر کی نماز صرف ڈھائی تین ہزار صالحین نے ادا کی اور باقی صالحین و منفقین جماعت کے ارد گرد اور سڑک پر کھڑے گپیں ہانکتے رہے۔ شام ۶½ بجے یہ کارواں گول باغ میں اختتام پذیر ہوا۔ اس دوران مغرب کی نماز گول کر دی گئی کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔

فرقۂ مودودیہ نے کارواں کے راستے میں جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگائی گئی تھیں۔ شورش کاشمیری کے گھر کے باہر بھی ایک سبیل لگائی گئی تھی جہاں لاؤڈ اسپیکر سے فلمی گیت اور قوالیاں نشر کی جاتی رہیں۔ تمام راستے پر جھنڈیاں لگائی گئی تھیں۔ مال روڈ پر دو جگہ محرابیں بھی لگائی گئی تھیں۔ صالحین نے جو بینر اٹھا رکھے تھے ان کی تحریریں پڑھنے کے لائق ہیں۔ بینر یہ تھے "ہم ۱۹۴۷ء کے شہدا کے خون کے امین ہیں" "دوستی پر نظریات قربان نہیں کئے جا سکتے" "سرفروش تیار ہیں" "علما کا فتویٰ زندہ باد" "محکمہ اوقاف کے ہاتھوں مسجدوں اور درس گاہوں کی بے حرمتی بند کی جائے" "محکمہ اوقاف پر سوشلزم کا قبضہ ہے" "محکمہ اوقاف سوشلزم کا دروازہ ہے" "محکمہ اوقاف سوشلزم کی پیداوار ہے" "محکمہ اوقاف اور سوشلزم لازم و ملزوم ہیں" "ایڈمنسٹریٹر لاہور کارپوریشن کو تبدیل کیا جائے" "سوشلزم کا قبرستان پاکستان" تو حضرات یہ تھا "یوم شوکتِ اسلام" کا جلوس

۳۱ مئی کو فرقۂ مودودیہ کے جلوس کے خلاف پورے لاہور میں ایک پوسٹر لگایا گیا جس کا عنوان تھا۔

"نحوست کے سائے سے بچیے"

اس پوسٹر پر درج تھا "آج کا دن شمسی سال کے لحاظ سے یزید کی پیدائش کا دن ہے۔ ۳۱ مئی کو عذاب الٰہی نازل ہوا اور کوئٹہ تباہ ہوا۔ آپ اس نحوست سے بچیے اور اس شہر کو تباہی سے بچائیے۔ نام نہاد اسلام پسندوں کے جلوس میں شامل ہو کر شہر کو نحوست سے بچائیے۔"

بشکریہ ہفت روزہ الفتح کراچی

پشاور

سوات
جدید دور — قدیم قانون

٭ فرہاد

سوات کی زمردین وادی اپنے سینے میں جن گنجینوں کو چھپائے ہوئے ہے۔ وہ سب کے سب، آج تک ایک فردِ واحد کی ملکیت تھے۔ وادیٔ سوات اور کوہستان بونیر کی تمام دولت، بادشاہ صاحب، سوات، والیٔ سوات اور ولی عہد سوات کے قبضۂ اختیار میں تھی۔ خفیہ خزانوں اور ظاہری دولت دونوں پر انہیں افراد کی مہر لگی ہوئی تھی۔ جائداد منقولہ ہیں، سوات اور بونیر کے باشندے بھی شمار ہوتے تھے عوام کی اپنی مرضی یا خواہش یا آزادیٔ ضمیر کوئی چیز نہیں تھی والیٔ سوات اور اس کے عمال ہی سوات و بونیر کے لاکھوں افراد کی قسمت کے مالک تھے۔ ریاست سوات کا کوئی افسر تو خیر بڑی چیز تھی، ایک معمولی سپاہی (واضح رہے کہ یہ سپاہی کسی باقاعدہ تربیت یافتہ فوج کے سپاہی نہیں ہوتے بلکہ اپنی اپنی باری بھگتنے آتے ہیں) انہی عوام کے ریوڑ کو ہانکنے کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا۔

زمرد کی کانوں کی اجارہ داری اور سرسبز و شاداب جنگلوں کے تن آور چیل و دیودار کے درختوں کی ٹھیکیداری اور عوامی قوت کی بے جا بیگار اور استحصال بالجبر ان جملہ عوامل نے مل کر باشندگان سوات کو کچل اور مسل کر رکھ دیا تھا۔

نئی مارشل لاء گورنمنٹ کے اعلان کے بعد جب ریاست سوات صحیح معنوں میں پاکستان کا اٹوٹ انگ بنی تو لاکھوں کچلی ہوئی آرزوؤں نے سکھ کا سانس لیا۔ ان کے

دن ابھرتے نظر آنے لگے۔ استبداد کے جنگل کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ ذہنوں پر جو دہشت اور خوف برسوں سے سوار تھا اس کا اثر زائل ہونے لگا۔ غرضیکہ جب لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کے اقتدار کی عمارت منہ کے بل زمین پر آگئی تو انہوں نے انتقام کے جذبے کے تحت عوامی قوتوں کے خلاف محاذ بنایا اور بظاہر یہ پروپیگنڈا کیا کہ والئی سوات نے ریاست کا ٹھیکہ پاکستان کو دے دیا ہے اور وہ فی الحال آرام کر رہے ہیں۔ اس پروپیگنڈے کے ساتھ ہی زمرد کی کان کا حادثہ پیش آیا۔ عوام پر ظلم وستم ڈھایا گیا یہ در پردہ پاکستان دشمن انتقامی کارروائی ہوئی۔ یہ اب یہ ڈھکی چھپی باتیں نہیں رہی۔ اس پردۂ زنگاری میں جو معشوق کار فرما تھا۔ جلد ہی اس کے چہرے پر سے نقاب اتر گیا۔ عوام پر کھل گیا کہ ہر مطلق العنان حکمران کے دانت کھانے کے اور اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ حکومت کی گدی سے معزول ہو کر بھی وہ اپنے آپ کو ریاست کا مختار کل تصور کرتا ہے۔ بہر حال والئی سوات کے عمال۔ وظیفہ خور اور خوشامدی سب کے سب بدستور پاکستان کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عوام نے مطالبہ کیا کہ بدی کے اس دروازے کو یکسر بند کر دیا جائے، جس نے عوام کا ناک میں دم کر رکھا ہے، چنانچہ والئی سوات اور ولی عہد دونوں کو ریاست سے باہر کر دیا گیا۔ عوام کی یہ دوسری فتح تھی۔ لیکن والئی سوات اور ولی عہد کے چلے جانے کے بعد بھی، لوگ حیرت سے سوال کر رہے ہیں کہ والی کے ساتھ اس کے شخصی قانون کو کیوں دیس نکالا نہیں ملا۔ والئی سوات میں تاحال وہی ریاستی قسم کی عدالتیں قائم ہیں۔ اور ان میں وہی قوانین نافذ ہیں جو برسوں پہلے ایک آمر مطلق نے نافذ کئے تھے۔

عوام بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ سوات کو پاکستان کے دوسرے ترقی یافتہ خطوں کے دوش بدوش ترقی دی جائے اس سلسلے میں جب سے مودودیت کا بھانڈا پھوٹا ہے مودودیئے شرم کے مارے پسینے پسینے ہو رہے ہیں۔ اور جھنجھلائے ہوئے سانپ کی طرح ہر راہگیر کو ڈسنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، دانشوروں، پیپلز پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام کی عوامی دوستی اب ضرب المثل بن چکی ہے۔

پشاور کے چار کارخانوں کے مزدوروں نے ایک اجلاس میں مزدوروں کے لئے سماجی تحفظ کی سکیم اور اس کی کارکردگی پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے اور صوبائی سطح پر افسروں کو مزدوروں کے مصائب سے آگاہ کرنے کے لئے ایک چار رکنی کمیٹی ترتیب دی ہے۔ جس میں (۱) کے ٹی کمپنی کے قاسم خان (۲) یونیورسل فلور ملز کے میر سلام خان (۳) اباسین فلور ملز کے محمد انور فکی (۴) اور پاکستان فلور ملز کے شان محمد شامل ہیں۔ مزدوروں کے مطالبات کبھی معقولیت کی حد سے آگے نہیں بڑھے لیکن حیرت کا مقام ہے کہ جب بھی مزدور پیاسا ہوا اور پانی مانگے تو جواب میں تلوار کا وار پیش کیا جاتا ہے۔ پشاور میں نہیں سارے پاکستان کے محنت کشوں کی حالت بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ وہ لوگ جو ووٹ کو روٹی پر ترجیح دیتے ہیں۔ ذرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول یاد کریں ـــ اے عمرؓ، اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی رات کو بھوکا رہ جائے تو، اس کا جواب تجھے دینا پڑے گا

ہفت روزہ الفتح کراچی

گجرات

مفتی محمود کی آمد

۔ قربان طاہر

جمعیت العلمائے اسلام کے جنرل سیکرٹری مولانا مفتی محمود نے اس ہفتے گجرات کا دورہ کر کے نام نہاد اسلام پسندوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کی دھجیاں اڑا دیں۔ مفتی صاحب کا جلسہ تمبل بازار کے چوک میں منعقد ہوا جہاں اس سے قبل جماعت اسلامی کے نائب امیر میاں طفیل اور پی ڈی پی مغربی پاکستان کے صدر نواب زادہ نصر اللہ خاں اور اس کے قریب ہی ایک جگہ پر مرکزی جمعیت کے مولانا احتشام الحق تھانوی بھی اپنے جلسوں کی دکان سجا چکے ہیں مفتی صاحب کا جلسہ ان سب بزرگوں کے جلسوں سے پر رونق تھا۔ ان کی تقریر دو گھنٹے تک نہایت پُرامن ماحول میں سنی گئی اور زندہ دلان گجرات پرجوش نعروں سے اظہار تحسین کرتے رہے۔ مفتی صاحب نے کہا اس وقت ملک میں حقوق کی جنگ ہو رہی ہے اس کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دینا ملک کے ساتھ ناانصافی ہے جو لوگ اسلام اور سوشلزم کی دہائی دے رہے ہیں وہ سرمایہ داری کی تجدید اور اور جاگیرداروں کی زمینوں کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اب اجارہ داری۔ سرمایہ داری۔ جاگیرداری اور امریکی سامراجیت کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا اس وقت ہمارے ملک میں بلکہ پورے عالم اسلام میں امریکی سامراج کی مداخلت نے معاملات کو الجھایا ہوا ہے انڈونیشیا۔ بھارت۔ پاکستان۔ مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کے مسائل کا ذمہ دار امریکہ ہے۔ اسرائیل نے بیت المقدس اور قبلہ اول مسجد اقصیٰ پر قبضہ کیا ہوا ہے اور عرب مسلمانوں پر پیہم بمباری کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ امریکہ کی امداد اور تعاون سے ہو رہا ہے۔ ادھر جنوب مشرقی ایشیا میں امریکی سامراج نے ویٹ نام اور انڈوچائنا میں فوجی مداخلت کر کے ظلم کا نیا باب تحریر کیا ہے۔ ان حالات میں تمام امن پسند ممالک بالخصوص اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ وہ امریکی سامراج کے اثرات مٹانے اور معاشی طور پر آزاد ہونے کے لئے ہمہ گیر جدوجہد شروع کریں۔ مولانا مفتی محمود نے کہا پاکستان میں اس وقت اخبارات اور نشریات کے تمام ذرائع پر امریکی نواز گروپ کا قبضہ ہو گیا ہے ہم حکومت کے اس جانبدارانہ رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ حق وصداقت کے راستے پر چل کر ہم ہر مشکل کا مقابلہ کریں گے اور آخری فتح ہماری ہو گی۔ مولانا مفتی محمود نے مولانا مودودی پر شدید نکتہ چینی کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے علماء نے آئین کی بنیاد کے لئے ۲۲ نکات پیش کئے تھے مگر جب گول میز کانفرنس میں میں نے ان نکات کو پیش کیا تو مودودی صاحب ان کی حمایت کرنے سے باز رہے۔ مودودی صاحب نے تحریک ختم نبوت کے دوران اس سے بریت کا اعلان کر کے تحریک کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا تھا۔ انہوں نے صحابہ اور خلفائے راشدین پر اپنی کتابوں میں نکتہ چینی کی ہے اس کے باوجود خود کو اسلام پسند کہلا کر بھٹو اور بھاشانی پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اعلان کیا میں بھٹو اور بھاشانی کو مودودی سے بہتر مسلمان سمجھتا ہوں کیونکہ انہوں نے صحابہ اور خلفائے راشدین کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ مفتی صاحب نے فتویٰ دینے والے علماء کے خلاف بھی غم وغصے کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس ملک میں ۲۳ سال میں کتنے ہی غیر اسلامی قوانین بنائے گئے جن میں عائلی قوانین سرفہرست ہیں مگر کسی عالم دین نے فتویٰ نہیں دیا مگر جب غریبوں نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد شروع کی تو ان پر کفر کے فتوے لگا دیے۔ مفتی صاحب نے کہا امیر اور غریب کی جنگ میں اسلام غریب کا طرفدار ہے۔

قارئین کہتے ہیں

آپ نے حق تلفی کی ہے!

"الفتح" کے گزشتہ شمارے کے ایک مضمون میں ٹی۔وی کے "بھانڈوں" کا تذکرہ کیا گیا ہے معلوم نہیں آپ کے وقائع نگار خصوصی کا اشارہ کس کی طرف تھا اگر ان کی مُراد افتخار عارف یا عبید اللہ بیگ سے ہے تو یقیناً آپ نے حق تلفی کی ہے۔ اس لئے روزنامہ جنگ کراچی کے رازداں ان کو نہ صرف مسخروں کا خطاب دے چکے ہیں بلکہ یہ دونوں رنگیلا اور لہری کے ہم پلہ ہیں۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ فلمی دنیا کی ان مشہور شخصیتوں نے اپنی اس توہین پر سخت احتجاج کیا ہے شاید معاملہ عدالت تک جاتے۔ بہر حال یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ بھانڈوں کا خطاب میرے نزدیک قطعی غیر مناسب ہے۔ اسلئے کہ بھانڈوں کا انسٹی ٹیوشن کم از کم پاکستان میں ختم ہوچکا ہے۔ کیا آپ کو جنگ کی طرف سے دیتے جانے والے خطاب پر اعتراض ہے جو آپ اپنی طرف سے ایک فرسودہ خطاب وضع کردیا۔ امید ہے کہ آئندہ آپ اس قسم کے غیر مانوس خطابات سے اجتناب کریں گے۔

محمد محسن، لطیف آباد۔ حیدر آباد

ہمارے وقائع نگار کا اشارہ ہرگز افتخار عارف اور عبید اللہ بیگ کی طرف نہیں۔ جہاں تک دوسرے اخبارات کا تعلق ہے ان کی ذمہ داری میں ہم شریک نہیں ہوسکتے —— مدیر

الفتح کی اشاعت پر مبارکباد قبول کیجئے

ہفت روزہ الفتح کراچی

ہمارے تمام ساتھیوں نے اسے بیحد قبول کیا ہے مزدوروں کے سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ آئندہ آپ لیبر قوانین کے بارے میں تفصیل سے لکھیں اس سے مزدوروں کو بہت فائدہ ہوگا اور وہ اپنے جائز حقوق سے آگاہ ہونگے

گلزار احمد قریشی ناظم آباد

گزشتہ اشاعت کا ادارہ "دایاں باز پٹخ گیا" بہت زوردار تھا۔ امید ہے کہ "الفتح" سامراج کے آلہ کار عناصر کو مکمل طور پر بے نقاب کرے گا اور ایک ایسی تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوگا جو بالآخر ایک ذہنی اور معاشرتی انقلاب لائیگا

جاوید۔ پشاور

آج بمشکل "الفتح" کا دوسرا شمارہ دستیاب ہوسکا۔ پہلے کا اشتیاق ہی رہا۔ نہ معلوم پہلا شمارہ سکھر تک کیوں نہیں پہنچا تھا۔ انداز و اطوار ہر اعتبار سے الفتح کا صحافتی معیار قابلِ اطمینان ہے۔ اس سے یہ توقع کرنا غلط نہیں ہوگا کہ "الفتح" ملک کے استحکام اور قومی فلاح کے لئے مثبت خدمات انجام دے گا۔

نکہت بریلوی۔ سکھر

۳۱ مئی کو مودودی جماعت کی طرف سے نام نہاد "یوم شوکتِ اسلام" پر جسطرح پانی کی طرح سے روپیہ بہایا گیا۔ خانہ کعبہ کو اونٹ گاڑی پر چار بانس لگا کر بنایا گیا تھا۔ اس پر قرآنی آیات کی جگہ ایک شعر لکھا ہوا تھا۔ اسلام تو فضول خرچیوں کے خلاف ہے اور یہ جماعت جو اپنے آپ کو اسلام کا سب سے بڑا علمبردار سمجھتی ہے اس نے یہ خلافِ اسلام فعل کیوں کیا؟ محض برنس روڈ پر تین چار ہزار روپے سے ایک آرائشی دروازہ بنایا گیا اور اسی طرح بے حساب رقم چراغاں پر صرف کی گئی۔ کیا میں یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ آپ یہی روپیہ گجر نالہ اور موسیٰ کالونی کے تباہ حال خاندانوں پر خرچ کر دیتے تو کیا آپ کی عوام سے محبت کا اظہار نہ ہوتا ہماری حکومت نہ جانے کیوں خاموش ہے کیا اسے نہیں سوچنا چاہیئے کہ ایک معمولی سی سیاسی جماعت کے پاس کروڑوں روپیہ کہاں سے آیا اور کیا حکومت کا فرض نہیں ہے وہ جماعت سے احتساب کرے۔ یوم شوکتِ اسلام پر مودودیوں نے اتنی اشتعال انگیزی سے کام لیا اور ایسے ایسے نعرے بلند کئے جس سے تشدد نے راہ پائی۔ کیا ہم امید کریں کہ مارشل لار کے ضابطے فرقہ مودودیہ کے اشتعال انگیزوں کو اپنی گرفت میں لیں۔ (حاجی محمد احمد دہلوی)

الفتح کے اجراء پر مبارکباد قبول فرمایئے یہ جریدہ اس وقت نکلا ہے جب کہ ملک میں سامراجی پٹھو مودودی پاکستانی عوام کو اسلام کے نام پر مسلسل بیوقوف بنا رہا ہے۔ مودودی صاحب نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کی اہمیت کو ختم کرنے کی کوشش کی اس نے کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کو اتنی شان و شوکت سے منانے کی اپیل نہیں کی۔ آخر کیوں؟ اس کا جواب مودودی کے پاس بھی نہیں ہوگا۔ یہ مودودی، یہ احتشام الحق کیرانوی اور اس کے چیلے آج ہم بے باک طالب علموں اور مزدوروں کو کافر کہہ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ایک مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اے امریکی پٹھو مت بھولو کہ آج کا کسان اور مزدور اس ملک سے امیر و غریب کا فرق ختم کرکے رہیگا۔

(قمر عباس جعفری۔ کلفٹن)

چراغوں کی لو تیز کرو

الفتح کا تازہ شمارہ شروع سے آخر تک پڑھا بے انتہا پسند آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے نیک مقصد میں کامیاب کرے۔ کراچی کے ۵۰ لاکھ عوام میں سے ۴۲ لاکھ آپ کے ساتھ

ہیں۔ غریبوں کی حمایت کے لئے پاکستان کے غریب عوام آپ کے شکر گزار ہیں۔ ہماری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں اور ہم سب کے ساتھ رب العالمین ہے۔ فتح ہماری ہوگی۔ چراغوں کی لو کچھ اور تیز کر دو۔

احمد سرور نوشاد، کم کم نوشاد
۵/۴۱۶ سعود آباد ۔۔ کراچی

مظلوم عوام کا ترجمان

"الفتح" پڑھ کر از حد مسرت ہوئی کہ ایسے وقت میں جبکہ صحافت ایک مخصوص جماعت کی مملوکہ بن کر رہ گئی ہے سرمایہ پرست اور سامراجی گروہ نے ملک کے معروف جرائد اور رسائل پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے اور حق پرستوں اور غریبوں پر تمام دروازے بند کر لئے ہیں ایسے نازک دور میں "الفتح" انشاء اللہ ملک اور قوم کی نمائندگی و ترجمانی کے لئے "الفتح" ثابت ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے "الفتح" تمام طاغوتی طاقتوں پر فاتح ہو اور اللہ اس کا حامی و ناصر ہو۔

محمد عثمان الوری
ناظم جمعیت العلماء اسلام کراچی ڈویژن

جرائد کا ہراول

محترم۔ اسٹوڈنٹس رائٹرز گلڈ حیدر آباد شاخ کی جانب سے الفتح کی اشاعت پر مبارکباد قبول فرمائیے نئی نسل کے ترقی پسند ادیبوں کی پوری فوج آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کی کامیابی کی خواہشمند ہے اور معاونت کے لئے ہر طرح سے تیار ہے۔ صرف دو شماروں کی اشاعت کے بعد ہی آپ کے پرچہ ہفت روزوں کے ہراول کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ہم آپ کی اس کامیابی پر آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

تنویر الامام
نگران اسٹوڈنٹس رائٹرز گلڈ حیدر آباد شاخ

خواتین کا صفحہ

"الفتح" کے اجراء پر مبارکباد، صد مبارکباد۔ آپ نے بہت پیارا سا رسالہ نکالا ہے۔ ہمارے سارے گھر نے اس کے ایک ایک مضمون کو پسند کیا ہے اور بے حد سراہا ہے۔ سیاسی تبصرے، خبر کی کہانی اور ایسے ہی دوسرے مضامین صحافت کی صحت مند اور اعلیٰ اقدار پر اترتے ہیں۔ ہمیں آپ سے ایک شکایت ضرور ہے وہ یہ کہ آپ نے دونوں شماروں میں خواتین کو مسلسل نظر انداز کیا ہے۔ سیاسی بیداری سے اس دور میں خواتین بھی ہر گام پر مردوں کے شانہ بشانہ ہیں کیا آپ نے بن صحافت میں سے ایک صفحہ بھی خواتین کے لئے مخصوص نہیں کر سکتے؟؟ ہمارا یہ سوال اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک آپ ہماری خواہش کا اقدام نہیں کرتے۔

نعیمہ حیات ۔ کراچی

[redacted]

بھیا ارشاد راٹھور!

آج شام پرچہ پڑھا یقین جانو۔ کہ پرچہ کے مختلف مضامین۔ بابا مبارک ساغر کا انٹرویو وغیرہ پڑھ کر دل بہت شاد ہوا۔ آپ نے اپنے جانباز اور بہادر ساتھیوں کے ساتھ جن مشکل حالات میں پرچہ نکالا ہے۔ اس کے لئے آپ اور آپ کے ساتھی قابل ستائش ہیں۔ میں آپ کو پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں

(حسین قیصر۔ کراچی)

مکرمی!

"الفتح" کا پہلا شمارہ ملا۔ توقع سے بڑھ کر ثابت ہوا اگر یہ کہوں کہ الفتح الفتح ہے۔ تو سوچتا ہوں تشنگی باقی رہے گی ۔۔ ایڈیٹوریل خوب ہے یہ بات کہ کیا پاک فوج اسلام اور پاکستان کے سلامتی کے لئے ناکافی ہے۔ جو سر فروشان اسلام شورش پسندوں کی سرکردگی میں قائم کئی گئی ہے۔ مسئلہ کا ایک نیا رخ سامنے لاتا ہے۔ امید ہے پاک فوج کے جوانمرد وطن کی سلامتی کے موضوع پر اور دوسری چیزوں کے علاوہ اس نکتہ پر غور و فکر کریں گے۔

سرکاری اداروں میں جو بدعنوانیاں ہیں ان پر یہ سلسلہ جو ریلوے سے شروع ہوا ہے باقی رہے تو خوب ہوگا۔ عوامی خواہشات کی بیباک ترجمانی پر میری طرف سے اور دوستوں کی طرف سے ہر طرح پر نذرانہ مبارکباد قبول فرمائیں امید ہے "الفتح" مشرق وسطیٰ کی طرح سامراجیوں کے لئے یہاں بھی ایک مستقل درد سر بنا رہے ہیں۔

(احمد شمسی)
(کراچی)

کراچی میں صحافیوں کا جلوس الفنسٹن اسٹریٹ سے گزر رہا ہے

محنت کش

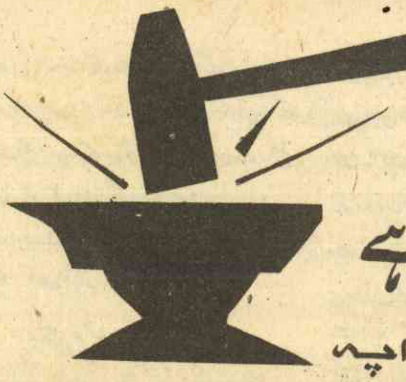

یہاں تو زندہ رہنا بھی ایک مسئلہ ہے

فاروق پراچہ

محمد اکرم ساہیوال کا رہنے والا ہے۔ وہ ایک عرصے سے عمارتوں پر پلاستر کر رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اب تک کم و بیش ساٹھ عمارتوں پر پلاستر کر چکا ہے۔ ان دنوں وہ حبیب بنک کی نئی عمارت کی ساتویں منزل کی دیواروں کو کھرچ رہا تھا۔ وہ مہینے میں ڈھائی تین سو روپے کما لیتا ہے، اس کا بڑا لڑکا فرخ آج سے چند ماہ بیشتر اسی میکلوڈ روڈ کی ایک زیر تعمیر عمارت کی پانچویں منزل سے گر کر ہلاک ہو گیا۔

محمد اکرم ناظم آباد کے ایک انتہائی گندے اور پسماندہ علاقے میں اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ علاقہ بجلی اور پانی کی سہولتوں سے یکسر محروم ہے۔ میں نے جب اس کی موجودہ زندگی کے بارے میں اس سے سوال کیا تو وہ بڑی دیر تک خالی خالی نظروں سے عمارت کے ایک حصے کے ادھڑے ہوئے پلاستر کو گھورتا رہا پھر مجھ سے یوں دھنستی ہوئی آواز میں مخاطب ہوا جیسے کنوئیں کے اندر سے بول رہا ہو۔

"زندگی؟ میری زندگی تو میرے بچے کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو گئی۔ میرا ایک ہی بچہ تھا، بیوی کو مرے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں۔ اب سوچتا ہوں کس کے لئے زندہ رہوں۔"

"تمہارا بچہ کام کرتے ہوئے ہلاک ہوا تھا؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"جی ہاں وہ میرے ساتھ ہی کام کرتا تھا۔"

"اس کی موت پر تمہیں کوئی معاوضہ نہیں ملا؟"

"معاوضہ" وہ طنزیہ ہنسی ہنسا "معاوضہ تو ایک طرف رہا کسی نے ہمدردی کے دو بول بھی نہ کہے۔"

"اوہ" میرے منہ سے اچانک نکل گیا "بڑے افسوس کی بات ہے۔"

"کیا فائدہ افسوس کرنے سے" وہ غمگین آواز میں بولا "مرنے والا مر گیا۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔"

محنت کشوں کے انٹرویو جنہیں ایک "قومی اخبار" ! نے شائع کرنے سے انکار کر دیا

اتنے میں قریب سے کسی نے پکارا "اوئے اکرم" اور وہ ہاتھ جھاڑ کر مجھے سلام کرتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

"میکلوڈ روڈ کی تقریباً تمام ہی بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر میں میرا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور رہا ہے میں نے ان کی تعمیر میں ایک قلیل معاوضے کے عوض اپنا خون پسینہ دیا تھا۔"

جبار بڑے جذباتی انداز میں اپنی رام کہانی سنا رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تھا تم کب سے بلڈنگوں کی چھتیں بھر رہے ہو؟" اس نے جواب دیا "یہ بات بہت پرانی ہو گی۔ یاد ہی نہیں کب یہ کام شروع کیا تھا۔"

جبار علی گڑھ کا رہنے والا ہے ملکی سیاست کی اسے خاصی سوجھ بوجھ ہے وہ ملک کے اکثر لیڈروں کو غریب عوام کا قاتل سمجھتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ اگر ایک دن ان تمام لیڈروں کو چھتوں کی بھرائی کرنے پر لگا دیا جائے تو ساری سیاست بازی نکل جائے، ذرا رک کر وہ بولا "ہاں بھٹو میں ایک بات ہے وہ غریبوں کی بات کرتا ہے" "مگر صاحب" اس نے ملکی سیاست پر بات کرتے ہوئے اچانک کہا "یہ ہمارے اخبارات بھی عجیب و غریب ہیں ایسی خبریں چھاپتے ہیں جنہیں پڑھ کر قے ہو جاتی ہے۔ اب زہرہ فونا کے قصہ ہی کو لیجئے، بھلا یہ خبر بھی کوئی چھاپنے کے لائق تھی لاحول ولا قوۃ، انہیں شرم ہی نہیں آتی۔ اور صاحب وہ بھی پرلے درجے کی بے غیرت عورت ہے۔"

جبار کو اپنی زندگی سے کوئی شکایت نہیں وہ پر امید ہے اسے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن تاریکیوں کے بادل ضرور چھٹیں گے، وہ اپنی قسمت پر صابر و شاکر ہے۔

"یہ بے انصافیاں، یہ ظلم و ستم تو ہوتا ہی آیا ہے ہم اور آپ اکیلے بھلا کیا کر سکتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے ہونے دیجئے۔" اس نے پان کی پیک تھوکتے ہوئے کہا "مجھے یہ جلسے جلوس اچھے نہیں لگتے جو کچھ کرنا ہے فوراً کرو، زندہ باد مردہ باد سے کوئی فائدہ نہیں، سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔"

ڈاکٹر کہتا ہے: میرے ابا اب ٹھیک نہیں ہوں گے

نام تو اس کا رحمان ہے لیکن اس کے مزدور ساتھی اسے پہلوان پکارتے ہیں۔ وہ واقعی پہلوان ہے یا نہیں اس کا فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ لیکن اپنے تن و توش سے وہ کسی پہلوان سے کم نظر نہیں آتا۔ میں نے جب انٹرویو کے لئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اچانک یوں بھڑکا جیسے کسی نے اسے سوئی چبھو دی ہو۔ مجھے دیکھ کر وہ کچھ دیر تک پلکیں جھپکاتا رہا، پھر حیرت سے پوچھنے لگا

"کیا بات ہے ؟"

"گھبرائیے نہیں، کوئی خاص بات نہیں ——"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ پھر اپنے مطلب کی بات کی تو وہ بڑے زور سے ہنسا۔

"واہ بابو صاحب ——! انٹرویو تو وزیروں اور سفیروں کا ہوتا ہے، میں بھلا اس قابل کہاں۔؟"

میں نے اسکی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا —— "تم ٹھیک کہتے ہو لیکن آج سے ہم مزدوروں کا نقطۂ نظر بھی معلوم کریں گے۔"

"اچھا ——!" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی، پھر کہنے لگا۔ "پوچھئے، کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔؟"

"سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تمہیں کون سے مسائل درپیش ہیں۔؟"

"مسائل ——" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"بابو صاحب ایک مسئلہ ہو تو بتاؤں —— یہاں تو زندہ رہنا ایک مسئلہ ہے۔"

"پھر بھی ——، کوئی خاص مسئلہ تو ضرور ہوگا تمہارے سامنے۔"

"ہاں خاص مسئلہ بچوں کی تعلیم کا ہے۔ سچی بات ہے میں انہیں اپنی طرح مزدور بنانا نہیں چاہتا۔ وہ خود پڑھنے کے شوقین ہیں لیکن پڑھیں کیسے۔؟ کوئی اسکول نہیں، کوئی استاد نہیں۔ اور جو ہیں وہ بہت مہنگے ہیں۔ میں دن میں بمشکل پانچ روپے پیدا کرتا ہوں ان پانچ روپوں سے گھر کے سات افراد کے لئے کھانا اور کپڑے مہیا کروں یا اپنے بچوں کو اسکول بھیجوں۔ آپ ہی بتائیے ——"

میں بھلا اسے کیا بتا سکتا تھا۔ اس لئے چپ چاپ وہاں سے کھسک آیا۔ راستے میں شام کے اخبارات بیچتا ہوا ایک چھوٹا سا لڑکا نظر آیا۔

"کیوں بھئی ——! تمہارے پاس تھوڑا سا وقت ہے۔؟" میں نے اس کے قریب رکتے ہوئے پوچھا ——

"وقت —؟" اس نے اخباروں میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی —— "وقت تو نہیں ہے۔"

"ارے بھئی میں تمہارے وقت کی بات کر رہا ہوں اگر تمہارے پاس تھوڑا سا وقت فرصت کا ہو تو میں تم سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں اخباری نمائندہ ہوں —— سمجھ گئے نا۔"

"اوہ ——! سمجھ گیا! وہ فٹ پاتھ کے ایک کونے کی طرف بڑھ گیا۔ "پوچھئے۔"

"تم کتنے بہن بھائی ہو۔؟"

"پانچ۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"تم اسکول میں پڑھتے ہو —؟"

"نہیں۔"

"کیوں۔؟"

"ابا کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ وہ بوڑھے ہو گئے ہیں انہیں منہ سے خون آتا ہے۔"

"تم کتنے بھائی ہو۔؟"

"تین"

"باقی کہاں ہیں۔؟"

"وہ رہے ——" اس نے سگنل کے پاس رکی ہوئی کاروں کی لمبی قطار کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی اخبار بیچتے ہیں۔"

"تم تینوں بھائیوں کو روزانہ کتنے پیسے مل جاتے ہیں؟"

"یہی کوئی سات آٹھ روپے۔"

"ان پیسوں کا کیا کرتے ہو؟"

امی کو دے دیتے ہیں۔ وہ ابا کی دوائی لاتی ہیں اور کچھ کھانے اور پہننے کا سامان۔"

"تمہارے ابا کب ٹھیک ہوں گے؟"

"ڈاکٹر کہتا ہے وہ اب ٹھیک نہیں ہوں گے۔ بہت جلد مر جائیں گے۔"

"پھر تم کیا کرو گے۔"

"ہم کیا کریں گے۔؟" اس نے مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ "ہم روئیں گے اور کیا کریں گے۔!"

(باقی اگلے ہفتہ)

ہفت روزہ الفتح کراچی کے اجرا پر
یکم جون ۱۹۷۰ء سے ۳۰ جون ۱۹۷۰ء تک خصوصی پیشکش
یہ اشتہار ساتھ ساتھ لائیے اور ہماری شاخ سے ۵۰٪ رعایت حاصل کیجئے۔
ٹائمز ڈرائی کلینرز
شاخیں:- (۱) سوداگر سوسائٹی (۲) ٹیپو سلطان روڈ
۳۔ جناح ہاؤسنگ سوسائٹی ۔ ۴۔ بہادر آباد

سرگزشت تھی جیل کی ... آ گیا شیخ الجامعہ کا - لیکن ان کے ذکر خیر کے بغیر یہ داستان پوری ہی نہیں ہوتی یہ ان کی نظر کرم ہی تو تھی جو ہمیں جامعہ سے زندان تک لے آئی - رہا تو میں یہ بتا رہا تھا کہ جیل میں قیدی طلباء کا پہلا دن کس طرح گذرا - سرما کی یخ بستہ رات، برف کی طرح ٹھنڈا فرش کوٹھڑی کی آہنی سلاخیں، بیرک کی سنگین دیواریں، سنسان رات میں پہریداروں کا شور جیسے قبرستان میں گیدڑ بول رہے ہوں -

پہلی رات گذری - پھر دوسری، پھر تیسری - تین روز تک ہم اسی طرح بیرک کے اندر بند رہے چوتھے روز سورج طلوع ہوا تو ہمیں معلوم ہوا کہ پابندیاں کچھ نرم کر دی گئی ہیں - ہمیں بیرک کے باہر نکلنے کی اجازت مل گئی - گھوم پھر کر دیکھا تو پتہ چلا کہ اریٹیریا کے تینوں مجاہدین آزادی، علی عبداللہ ابراہیم اور محمد بھی اسی جیل میں قید ہیں - انہوں نے حبشہ (ایتھوپیا) کے ایک طیارے کو تباہ کرنے کے لئے فائرنگ کی تھی - اور اب ایک ایک سال کی سزا کاٹ رہے ہیں - ان کے علاوہ مزدور رہنما عثمان بلوچ، شاہ رضا اور ۳۰، ۴۰ دوسرے مزدور کارکن بھی یہاں قید تھے - ان سب کو اخلاقی مجرموں کے ساتھ رکھا گیا تھا - ان کے ساتھ برتاؤ بھی جرائم پیشہ قیدیوں کی طرح کیا جاتا -

چند روز جرائم پیشہ قیدیوں کے ساتھ

جیل کے دنوں کی کہانی

ایک قیدی طالب علم کی زبانی

زاہد حسین جنرل سیکرٹری
-این ایس، ایف

جیل کی حالت کیا تھی - یوں سمجھئے کہ ۳۰ قیدیوں کی بیرک میں ۸۰ سے اوپر قیدی ٹھونس دیئے گئے تھے جس سے گھٹن محسوس ہوتی غذا بھی کم ملتی تھی نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی روز میں چہرے جہنیوں کے بیماروں کی طرح نظر آنے لگے - دوسرے قیدیوں کا بھی یہی حال تھا، جیل میں رشوت کے ذریعے ہر مراعات حاصل ہو سکتی ہے - ہر چیز مل سکتی ہے - جو قیدی رشوت نہیں دے سکتے وہ ناجائز کا شکار ہوتے ہیں اور ہر زیادتی اور جبر برداشت کرتے ہیں - یہاں چرس سے لیکر ہر ممنوعہ شے آسانی کے ساتھ درآمد کی جا سکتی ہے - کہا جاتا ہے کہ جیل مجرموں کا اصلاح گھر ہے یہاں لیکن معاملہ بالکل برعکس ہے - ہر قیدی جیل سے آزمودہ اور تجربہ کار مجرم بن کر باہر نکلتا ہے -

کراچی جیل میں زیادہ تعداد ایسے قیدیوں کی ہے جن کا تعلق انتہائی غریب اور پس ماندہ طبقہ سے ہے یہ عام طور سے لیاری اور ایسے ہی دوسرے پس ماندہ علاقوں سے آتے ہیں - ان میں بڑی تعداد ایسے قیدیوں کی ہے جو منشیات کا ناجائز کاروبار کرنے کے جرم میں قید ہوئے لیکن سب سے زیادہ قابل رحم حالت ان قیدیوں کی ہوتی ہے - جن کے مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت ہیں - انہیں عام طور پر "حوالاتی" یا "کچے قیدی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے - جیل میں بہت سے ایسے قیدی دیکھنے میں آئے جن کے مقدمات کو چار سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر سزا کی میعاد جیل کے قیام سے بھی کم ہوتی ہے -

لیاری کے ایک قیدی کو آوارہ گردی کے جرم میں گرفتار کیا گیا - چھ ماہ تک اس پر مقدمہ چلا اور سزا صرف ۱۵ روز کی ہوئی - اسی طرح چوری کے شبہ میں ایک قیدی پر ڈیڑھ سال تک مقدمہ چلتا رہا لیکن فرد جرم عائد نہ ہو سکی، للہذا رہا کر دیا گیا - بے چارے نے بغیر کسی جرم کے ڈیڑھ سال کی سزا بھگتی -

ابھی ہم کراچی جیل میں ہی تھے کہ ۲۵ جنوری کو الطاف صدیقی، نایاب احمد اور ان کے بعد علی یاور بھی جیل پہنچ گئے - ان سے باہر کی صورت حالات معلوم ہوئی انہوں نے بتایا کہ شہر کے بیشتر کالجوں میں علامتی ہڑتال ہوئی اور اس کے نتیجے میں ان کی گرفتاریاں عمل میں آئیں اخبارات نے بعض مصلحتوں کے تحت ان خبروں کو شائع کرنے سے گریز کیا - کہیں ذکر بھی نہ آیا یہی وجہ ہے کہ بعد آنے والے طالب علم رہنماؤں کی آمد سے پہلے ہمیں باہر کی صورت حال کا کچھ بھی علم نہ تھا -

دن گذرتے گئے اور جیل کی زندگی رفتہ رفتہ معمول بنتی گئی - ہم سختیوں اور پابندیوں کے عادی ہوتے گئے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اس جیل میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ مزدور رہنما عثمان بلوچ اور شاہ رضا بھی تھے - ان کو مختلف قوانین کے تحت سزائیں ہوئی ہیں - شاہ رضا کو ایک سال قید بامشقت کے ساتھ پانچ کوڑوں کی سزا دی گئی - انہیں سی کلاس میں عام قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا تھا - ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے اپنی محنت کا جائز حق مانگا تھا -

ان کے علاوہ ولیکا ملز کا ایک مزدور قیدی بھی تھا اس کی عمر بمشکل ۱۶، ۱۷ سال تھی - اس کا نام مہدی تھا، اور وہ ضلع ہزارہ کا رہنے والا تھا - ۱۲ سال کی عمر میں وہ محنت مزدوری کرنے کے لئے گھر سے نکلا وطن چھوٹا، گھر بار چھوٹا، ماں باپ بہن بھائی چھوٹے اس لئے کہ وہ محنت مزدوری کر کے اپنے خاندان کی پرورش کرنا چاہتا

اخبارات نے مصلحتوں کے تحت اِن خبروں کو شائع کرنے سے گریز کیا

تھا - اب وہ جیل میں تھا - جرم اس کا بھی وہی تھا - یعنی اس نے بھی اپنے جائز حقوق کے لئے آواز بلند کی تھی - حالات نے اس کو بہت حساس اور حقیقت پسند بنا دیا تھا - وہ کہا کرتا کہ یہ جیلیں بھی سرمایہ داروں، اور جاگیرداروں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے بنائی ہیں - اس میں لٹنے والے آتے ہیں - لوٹنے والے کبھی نہیں آتے - مزدوروں نے جب کبھی لوٹ کھسوٹ کے خلاف آواز اٹھائی تو بجائے اس کے کردلیکا سے باز پرس کی جاتی، مزدوروں پر گولی چلا دی گئی، اور دوسرے مزدوروں کے ساتھ اسے بھی جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا - وہ بڑے جوش کے ساتھ کہتا وہ ہمیں جیل تو بھیج سکتے ہیں - لیکن ہماری آواز نہیں دبا سکتے - ہم اس وقت تک جدوجہد کرتے رہیں گے جب تک اس لوٹ کھسوٹ کے نظام کو نہیں بدل دیں گے - چند مزدوروں کو قید کرنے سے مزدور کا مسئلہ حل نہیں ہوگا - یہ آگ برابر بڑھتی جائے گی -

کچھ دن اور اس طرح جیل میں گذر گئے -

۲۹ جنوری تک کے لئے ہمارا ریمانڈ لیا گیا - ہمیں سب ڈویژنل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا - اس روز ۹ بجے صبح ہمیں پولیس کی ایک گاڑی میں عدالت کے احاطے میں لایا گیا - مختلف کالجوں اور سکولوں کے طلباء بہت بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے - انہوں نے انقلابی نعروں کی گھن گرج میں ہمارا استقبال کیا ہمیں فوراً ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا - باہر فلک شگاف نعرے گونج رہے تھے -

"ظلم بند کرو، طلبا کو رہا کرو"

"لاٹھی گولی کی سرکار نہیں چلے گی، نہیں چلے گی"

"وائس چانسلر ... ڈاؤن، ڈاؤن"

ان نعروں کی گونج سے سٹی کورٹ کے در و دیوار لرز گئے - نعروں کا شور بڑھتا گیا - کئی بار طلباء نے پولیس کا گھیرا توڑ دیا اور کمرے کے اندر آ گئے - صورت حال پولیس کے قابو سے باہر ہوتی جا رہی تھی - لہٰذا مزید پانچ روز کا ریمانڈ لیا گیا مقدمے کی سماعت نہ ہو سکی - آخر ہمارا مقدمہ مارشل لا کی سرسری عدالت میں منتقل کر دیا گیا - جس روز ہم عدالت میں پیش ہوئے اس روز بھی عدالت کی سیڑھیاں طلباء سے بھری ہوئی تھیں -

عدالت سے ہم باہر نکلے تو بڑی مشکل سے پولیس کی گاڑی تک ہمیں پہنچایا گیا - طلباء نے اس کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا - خاصی جدوجہد کے بعد گاڑی آگے بڑھی ہم نے گاڑی کی جالیوں سے دیکھا طلباء کا زبردست اجتماع ایک بڑے جلوس کی شکل اختیار کر چکا تھا - وہ اپنے مطالبات کی حمایت میں نعرے لگا رہے تھے - ہماری گاڑی دور ہوتی گئی - طلباء کے نعرے بلند ہوتے رہے - پھر یہ جلوس بندر روڈ کی جانب مڑ گیا یہ کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ تھا -

لیکن دوسرے روز صبح اخبارات دیکھے تو اس میں کچھ بھی نہ تھا - نہ جلوس کا ذکر تھا، نہ طلباء کے احتجاج کا - البتہ ایک اخبار نے طلباء کے جلوس کو غنڈہ گردی کا مظاہرہ قرار دیا تھا - غالباً کچھ نوعمر طالب علموں نے جذبات سے بے قابو ہو کر اس اخبار کی عمارت پر چند پتھر پھینک دیئے تھے - اس لئے کہ جلوس میں اسکولوں کے کمسن طالب علم بھی شامل ہو گئے تھے - یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے ایک سرمایہ دار جاگیر دار قسم کے رئیس کے ایک دس بارہ سال کے بچے نے کھیلتے کھیلتے پتھر اچھالا - وہ جا کر قریب کھڑی ہوئی کار کے شیشے سے ٹکرایا شیشہ ٹوٹ گیا ڈرائیور موجود تھا - اسے بچے کی یہ حرکت ناگوار گذری وہ بچے کو ڈانٹنے لگا - اسی اثناء میں بڑے صاحب بھی وہاں آ گئے اور آتے ہی ڈرائیور پر برسنے لگے - شیشہ ٹوٹ گیا ہے تو ٹوٹ جانے دو، دوسرا آ جائے گا - اُلّو کے پٹھے تو نے یہ نہ سوچا اس طرح میرا بچہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے گا - اس نازیبا حرکت پر انہوں نے کھڑے کھڑے ڈرائیور کو ملازمت سے برطرف کر دیا -

بڑے آدمیوں کے بچوں کی شرارتیں بھی بڑی ہوتی ہیں - اور چھوٹے آدمیوں کے بچوں کی شرارت "غنڈہ گردی" بن جاتی ہے - لہٰذا طلباء کے احتجاج کو نہ صرف یہ کہ غنڈہ گردی قرار دیا گیا بلکہ شدید احتجاج کیا گیا - این ایس - ایف کی خبروں کو بلیک آؤٹ کرنے کا فیصلہ کیا گیا - اور حکومت پر زور دیا گیا کہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے - چنانچہ ایسے طلباء کے وارنٹ گرفتاری بھی جاری کر دیئے گئے - جو سرے سے اس جلوس میں موجود ہی نہ تھے -

آخر اس اخبار کی خواہش پوری ہوئی - یکم فروری کو این، ایس، ایف کے صدر رشید حسن خان، قدوس صابر بلوچ، سبطِ اطہر، فرید، انیس باقر، اور دیگر طلباء کو ایک ہی رات پولیس کی بہت بڑی جمعیت نے چھاپے مار کر گرفتار کر لیا - اس طرح کراچی جیل میں قیدی طلباء کی تعداد بڑھ کر ۱۸ ہو گئی -

بقیہ شوکتِ اسلام

ہمیں پی آئی کے انجینئرنگ کے شعبے سے سے ایک صاحب کا خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے اسلام پسند یونین "پیاسی" کے لیڈروں کے خلاف سخت غم و غصے کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان لوگوں نے ہم سے یہ کہہ کر ووٹ حاصل کئے تھے کہ ہمارا جماعت اسلامی سے کوئی تعلق نہیں ہے - لیکن اب انہوں نے مودودی صاحب شوکتِ اسلام کے سٹنٹ میں ساتھ دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ جماعتِ اسلامی کی ذیلی یونین ہے اس لئے ہمیں سخت افسوس ہوا اسلئے ہمارے لاہور پنڈی کے کتنی ساتھی عنقریب "پیاسی" کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا اعلان کر رہے ہیں - اسکے ساتھ ساتھ پی - آئی اے کی انتظامیہ پر بھی جانبداری کا الزام لگایا گیا ہے کہ شوکت اسلام کے جلوس میں پیاسی کے مزدوروں نے پی آئی اے کی بسوں کو استعمال کیا - اس کی اجازت کیوں دی گئی تھی؟ کیا آئندہ کسی اور سیاسی پارٹی کے جلوس میں بھی پی آئی اے کی بسیں ملیں گی -

بقیہ: اداریہ

ہونے والے جماعتی جلسوں بلکہ نمائشوں کے اخراجات کی متحمل ہو سکے ۔ شوکتِ اسلام کے جلسوں میں کاروں، گاڑیوں، اسکوٹروں کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ تھی، انسان تو لفٹروں پر آ سکتے ہیں، کاریں، گاڑیاں اسکوٹر تو لفٹروں سے نہیں ملتے ۔ اس مودودی جماعت نے پریس پر قبضہ کر کے جس طرح اب لوگوں پر اپنی ہمہ گیر مقبولیت بزعمِ خود ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، وہ بھی سرمایہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تھی، ہمارے اخبارات کے مالکان سے زیادہ تاجرانہ ذہنیت رکھنے والا، کون ہو سکتا ہے ۔ وہ محض کسی جماعت سے ہمخیالی کی بنا پر تو اس کا پراپیگنڈہ نہیں کر سکتے ۔ جماعت کے پبلسٹی کے وسائل بہت زیادہ مہنگے، اور بے پایاں اخراجات کا نتیجہ ہوتے ہیں ۔ اخباری صنعت کے تجربہ کار ماہرین، جماعت کے تمام اخبارات کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ وہ سرکولیشن اور اشتہارات کے اعتبار سے کس حد تک منفعت بخش ہو سکتے ہیں ۔ اس کے باوجود وہ اتنی قیمتی طباعت، مہنگے کاغذ اور زیبائش و آرائش کے ساتھ اپنی تعداد میں اضافہ کئے جا رہے ہیں !

یہ سب کیسے ہو رہا ہے؟ عوام سوچتے ہیں اور سوچتے رہتے ہیں ۔ اب یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم سوال کا جواب تلاش کرے اور سچائی کو سامنے لائے ۔ یہ کہہ دینا کہ بعض غیر ممالک بعض سیاسی جماعتوں کی امداد کر رہے ہیں، یا بعض سیاسی جماعتیں غیر ممالک سے امداد لے رہی ہیں، جہاں بہت بڑا الزام ہے، وہاں بہت بڑی ذمہ داری کو بھی جنم دیتا ہے، اگر سرکاری طور پر ان سیاسی جماعتوں کی نشاندہی نہ کی گئی تو اس سے عوام میں تمام سیاسی جماعتوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اور انتخابات کے لئے وہ صاف ستھری اور مثبت فضا پیدا نہ ہو سکے گی جس کے لئے حکومت مسلسل کوشش کر رہی ہے اور جو اس کا مقصدِ وحید بھی ہے ۔

ہفت روزہ الفتح کراچی

بقیہ صحافیوں کا احتجاج

ہیں کہ ہم پر بہت زیادتیاں ہو رہی ہیں ۔ زائد کام لیا جا رہا ہے ۔ عبوری امداد نہیں مل رہی ہے اور مجھ سے کہا تھا کہ تم کالم لکھتے رہو ۔ ابراہیم جلیس کی جگہ تمہارا کالم دیں گے ۔ تمہاری تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا جائے گا ۔ مگر اب مجھ سے ترجمہ کرایا جا رہا ہے ۔ کالم بھی شائع نہیں کرتے ۔ کے یو جے کے سکریٹری نے کہا بھئی ہم کیا کر سکتے ہیں ۔ آپ لوگ تو استعفے دے چکے ہیں ۔ کہنے لگے ہم نے استعفیٰ کہاں دیا ۔ ہمارے نام تو زبردستی شائع کر دیئے گئے تھے ۔ اگر کوئی آزاد اخبار نکلے تو آپ ہمارا خیال ضرور رکھیں ۔

یہ محض چند مثالیں ہیں منافقت کی بنا پر متحد ہونے والوں کے انتشار کی ۔ ان کی آمریت کا یہ عارضی دار ختم ہونے والا ہے ۔ چند ہفت روزوں نے ہی مقبوضہ پریس کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے ۔ کیا مقبوضہ پریس کے کسی بھی پرچے کا لوگ اس شدت سے انتظار کرتے ہیں جس طرح ان چند ہفت روزوں کا ہوتا ہے ۔ خود مقبوضہ اخبارات کے مالکان اور غدار اخبار نویس ان ہفت روزوں کو سب سے پہلے پڑھنے کے متمنی ہوتے ہیں ۔ اس کی وجہ محض اور محض حق گوئی ہے ۔ عوام سچی بات سننا چاہتے ہیں، رنگین تصاویر دیکھنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتے ۔

اخبارات پر قبضہ کی سی آئی اے کی کوشش دولت کے بے پایاں استعمال کے باوجود بے نقاب ہو چکی ہے ۔ وطن دشمنوں کی ناپاک جسارتوں، زندگی کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے ستارے طلوع ہو چکے ہیں ۔

کراچی کے شہری، سڑکیں اور چوراہے اس بات کے شاہد ہیں کہ اس طرح تجسس اور اشتیاق سے کوئی اخبار بھی نہیں پڑھا گیا ہوگا جس طرح راولپنڈی یونین آف جرنلسٹس کے شائع شدہ پوسٹر "جنگ اخبار سے اب ہماری جنگ ہے ۔ بھٹو کا اعلان" پڑھا گیا ۔ دس بیس کی تعداد میں یہ پوسٹر محض صدر کے علاقے میں چسپاں تھے ۔ دور دراز کے علاقوں میں لوگوں کو پتہ چلتا تھا تو وہ کشاں کشاں یہاں پہنچتے تھے ۔ عوام کی اس دلچسپی کی وجہ سے کسی شخص کو پوسٹر پھاڑنے کی جرات نہیں ہوئی ۔ سنا ہے کہ ان دس بیس پوسٹروں کی وجہ سے ایک اخبار کے مالک نے "لبریم" کی گولیوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے ۔ اس نے ایک گاڑی میں اپنے چند پٹھوؤں کو بھیجا کہ وہ ایسے تمام پوسٹر پھاڑ ڈالیں لیکن جب ان کے کرایے کے آدمیوں نے وہاں عوام کے ٹھٹ کے ٹھٹ دیکھے تو وہ دم دبا کر بھاگ نکلے ۔ اس کے بعد اخبار کے مالک نے شہری حکام سے شکایت کی تو انہیں جواب ملا کہ پوسٹر چسپاں کرنا خلاف قانون نہیں ہے ۔

امریکہ اور مودودی جماعت کو اپنا سب کچھ کہنے والے مالکان اخبارات اور صحافیوں کو جو آئینہ اس مضمون کے شروع میں دکھا چکے ہیں، اب پھر وہی آئینہ دکھاتا ہوں ۔

"اور بعضے لوگ ہیں جو پکڑتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو ۔ ان کی محبت رکھتے ہیں جیسے محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ ہے محبت اللہ کی اور کبھی دیکھیں بے انصاف اس وقت کو، جب دیکھیں گے عذاب ۔ کہ سارا زور اللہ کو ہے ۔ اور اللہ کی مار سخت ہے ۔"

ہفت روزہ الفتح کراچی

کا تازہ شمارہ ہر جمعرات کی صبح کو

اپنے ہاکر سے طلب کیجئے

پائنیر انشورنس کمپنی لمیٹڈ

میرین ، آگ ، ایکسیڈنٹ ، انجینئرنگ وغیرہ

دفاتر مغربی پاکستان میں

- کراچی، راولپنڈی ، لاہور، لائل پور ساہیوال، حیدرآباد

دفاتر مشرقی پاکستان میں

- ڈھاکہ، نارائن گنج ، چٹاگانگ، کھلنا

ایجنسیاں پاکستان کے ہر بڑے شہر میں موجود ہیں

پائنیر انشورنس کمپنی لمیٹڈ

۶۱۸/۶۱۱ تھرھاؤس ، بندر روڈ کراچی

ٹیلیفون :- ۲۳۴۳۸۶، ۲۳۴۳۸۷، ۲۳۵۰۱۰ ، ۲۳۵۰۱۱

Weekly "Al-Fatah" Karachi
11-18 June 1970

محنت کشوں کی خِدمت میں کوشاں

محنت کشوں سے قوم کی عظمت ہے۔
ہمیں اس عظمت کو برقرار رکھنا ہے۔
مزدور کا وقت ہی اُس کی دولت ہے۔
ہم اُن کا قیمتی وقت اور گاڑھے پسینے کی کمائی بچاتے ہیں۔
ہماری خدمات کے لئے انہیں ہمارے پاس نہیں آنا پڑتا بلکہ ہم خود "فیکٹری ورکرز سیونگ اسکیم"
کے تحت اُن کے پاس جاتے ہیں اور انہیں بنکاری کی تمام سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔
محنت کشوں کی خدمت میں کوشاں

نیشنل بینک آف پاکستان

اس بینک کے مالک آپ ہیں

NAT E70